ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

جون ۱۹۸۹ء

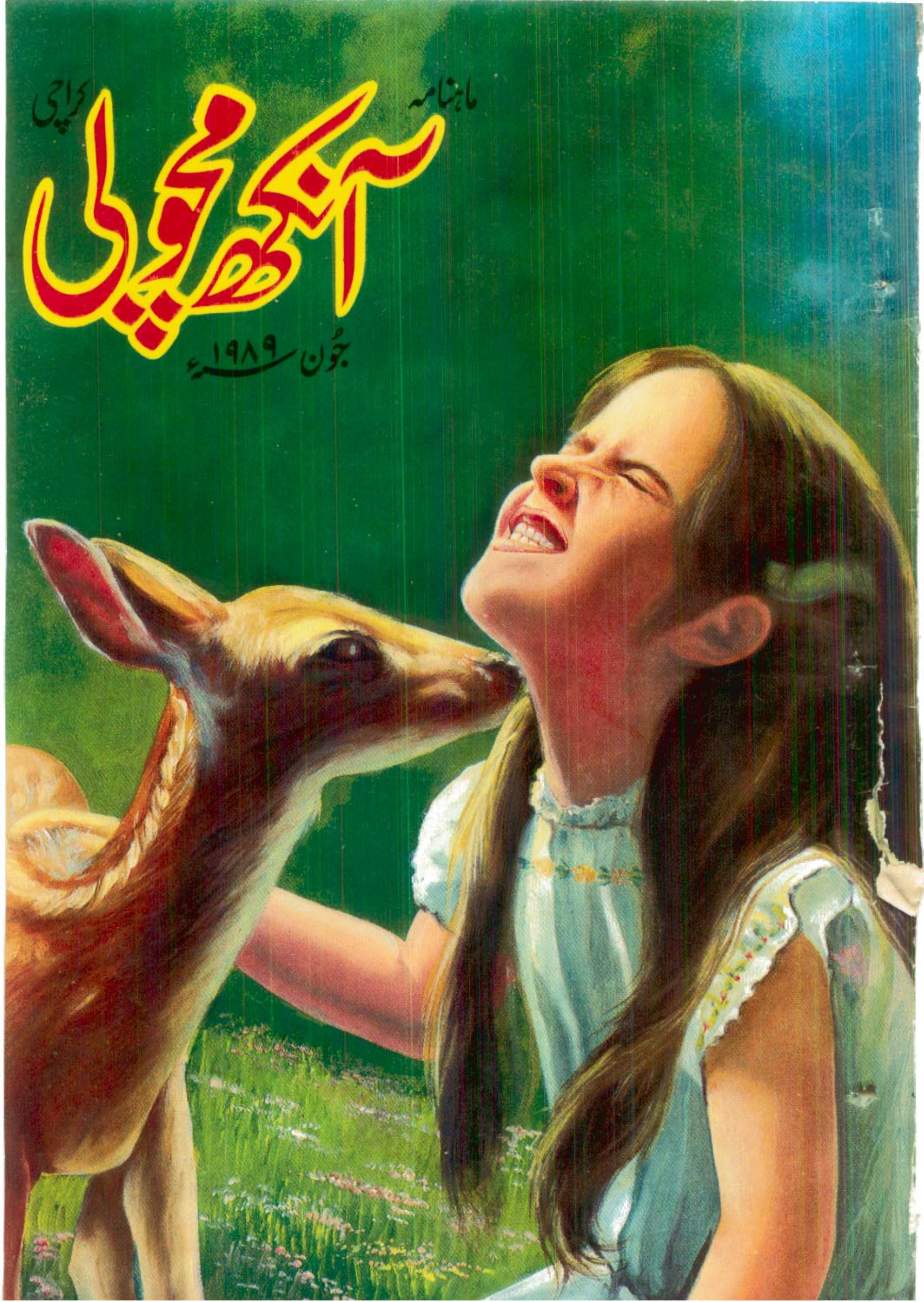

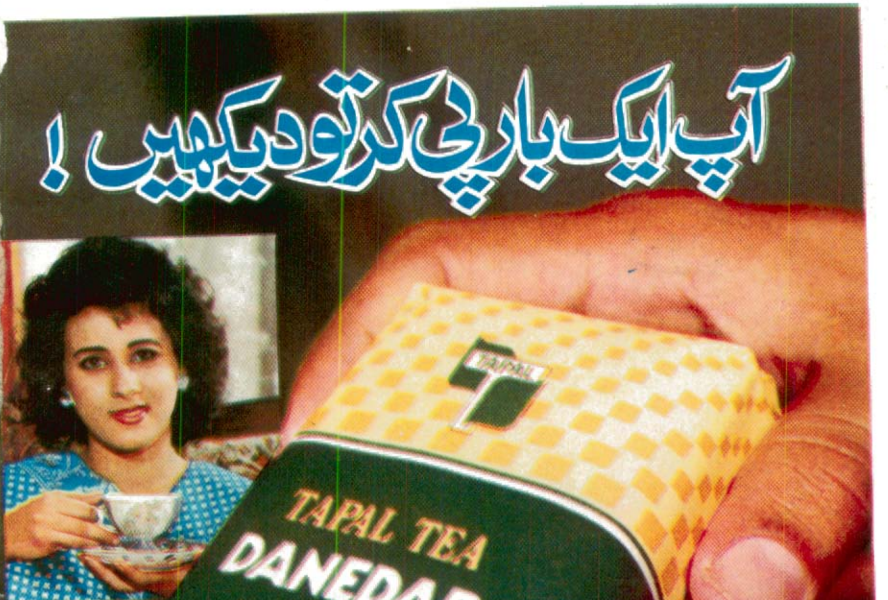

آپ ایک بار پی کر تو دیکھیں !
TAPAL
TAPAL TEA
DANEDAR
Leaf Blend
ٹپال چائے
دانے دار
لیف بلینڈ
فوری تیار، زیادہ خوشبودار، گہری رنگت، یادگار لذت، ایک پیالی میں گھنٹوں تسکین
MASS

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

آنکھ مچولی

جلد ۳ شمارہ ۱۲ جون ۱۹۸۹ء شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

ABC آڈٹ بیورو سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

فون نمبر ____ 299178

مُدیرِ اعلیٰ ظفر محمود شیخ

مُدیرِ مسئول تجمل حسین چشتی

مُشاورت مشفق خواجہ، امجد اسلام امجد

مُدیرانِ اعزازی طاہر مسعود، محمد سلیم مغل

مجلسِ ادارت شاہ نواز فاروقی، سید خورشید عالم

خطّاطی عارف سعید

قیمت ۶ روپے

۴ درہم
۴ ریال

زرِ سالانہ کیلئے خصوصی بچت کا صفحہ دیکھیں

- ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحقِ ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی۔
- ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن وحدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

- ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن کے زیرِ سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا۔

ناشر : ظفر محمود شیخ طابع : زاہد علی مطبع : لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ۔ کراچی

خط و کتابت کا پتا : ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی، ۱۱۲۔ڈی، نورس روڈ، سائٹ کراچی

قہقہہ نمبر ۱

کی بے پناہ مقبولیت کے بعد

آپ کے اصرار پر — اِک نئے معیار پر

آنکھ مچولی کا قہقہہ نمبر ۲

جولائی ۱۹۸۹ء میں منظرِ عام پر آ رہا ہے۔

قہقہہ نمبر ۲ کے قہقہاتے صفحات پر

- ہنسا ہنسا کر رُلا دینے والی کہانیاں اور مضامین۔
- طنز و مزاح میں لت پت نظمیں اور واقعات۔
- کھلکھلاتے کارٹون اور لطیفے۔
- کلکاریاں مارتی ہوئی تصاویر۔
- اور وہ سب کچھ ہوگا جس کی آپ کو توقع ہے۔

اور ہاں اس بار بھی ہر بار کی طرح آپ کی توقع کے مطابق ایک منفرد

تحفہ مفت

قہقہہ نمبر ۲

قہقہوں کا کبھی نہ خشک ہونے والا آبشار
اس آبشار میں بھیگنے کے لیے اپنی کاپی

آج ہی بُک کرائیے

حُسنِ ترتیب

٦ تاریخ کے دریچے سے

٧ اداریہ

٩ ڈاکیا ڈاک لایا

١٣ بچوں کی غزل شاھنواز فاروقی

١٥ ایک دفعہ کا ذکر ہے طاہر مسعود

٢١ نیند ہماری خواب شالی ایوب

ڈکٹیٹر کا انجام سید خورشید عالم

٢٩ قسمت گھر مصطفٰی چاند

٣٧ پیاری تتلیاں عطا محمد تبسم

٤١ کھٹے میٹھے (منتخب لطائف)

٤٥ پرندے (نظم) شبیر بیگ ناز

٤٦ شرارتی بندر قمر علی عباسی

٥٤ بکی ماؤس کی کار سید تنویر عالم

٥٧ آنے والی کل کے ہیرو محمد سلیم مغل

٦٤ جستجو شرط ہے اسامہ بن سلیم

٦٩ نفرت سے نفرت کیجیے ساجد سعید

٧٣ غیر مطمئن گاؤں شین فاروقی

٨٣ سائنس انکوائری نیئر ابدالی

٨٧ عظیم سراغرساں اعجاز احمد

٩٤ سینٹ کلاوڈ کاپئل پرکاش کمار

٩٨ میری ڈائری

١٠٠ گنی چنی معلومات عقیل عباس جعفری

١٠٤ ننھی نگارشات

١١٦ سالگرہ کے ساتھی

١١٨ امی ابو کا صفحہ رمیصا سلیم

تاریخ کے دریچے سے

عمرو والقیس خلیفۂ بغداد کے نائب کی حیثیت سے خراسان پر حکومت کر رہا تھا وہ ماورالنہر کے حکمران سے نبرد آزما ہُوا اور اُسے شکست ہو گئی۔ وہ قید کر لیا گیا۔ قید خانے میں عمرو کا ایک نوکر اُس کے لیے گوشت پکا رہا تھا وہ نمک لینے کے لیے برابر کے کمرے میں گیا تو باورچی خانے میں ایک کُتّا گھُس آیا اور گوشت لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کوشش میں برتن اُس کی گردن میں پھنس گیا۔ کُتّا برتن سمیت بھاگ گیا۔ عمرو نے یہ نظارہ دیکھا تو اُس کے منہ سے آہ نکل گئی۔ وہ زیرِ لب بڑبڑایا "آج صبح جب میں جنگ کے میدان کی طرف آ رہا تھا تو میرے کھانے کا سامان تین اونٹوں پر لدا ہُوا تھا، لیکن اس وقت میرے کھانے کا سامان صرف ایک کُتّا اُٹھا کے لے جا رہا ہے۔

ماہِ رواں کی پہلی بات

آپ نے اکثر اپنے بڑوں کو کہتے سُنا ہوگا کہ ماشاءاللہ آج کل کے بچے بہت ذہین اور سمجھ دار ہوتے ہیں۔ کم سے کم ہم لوگ اپنے بچپن میں اتنے ذہین نہیں تھے۔ اپنے بارے میں ایسی تعریفی رائے سُن کر یقیناً آپ کو بے انتہا خوشی ہوتی ہوگی لیکن شاید آپ نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ ایسا کیوں ہے؟ بچے تو ہر دور میں بچے ہی ہوتے ہیں، پھر ایک زمانے کے بچے سادہ اور معصوم اور دوسرے زمانے کے بچے چالاک اور تیز کیسے ہو جاتے ہیں۔ بات اتنی سی ہے کہ آج کا دَور ترقی یافتہ سائنسی دور ہے۔ آج کے بچے ایسی دنیا میں رہتے ہیں۔ جس میں اخبار، ریڈیو، ٹیلی وژن اور وی سی آر کے ذریعے چاروں طرف سے اطلاعات اور معلومات ان تک پہنچ رہی ہیں۔ دنیا سکڑ کر چھوٹی ہو گئی ہے۔ ہَوا کا ہر جھونکا اپنے ساتھ ایک نئی خبر ایک نئی اطلاع لے کر آتا ہے۔ غرضیکہ ہم چاہیں بھی تو بے خبر اور لاعلم نہیں رہ سکتے۔

یہ سہولتیں ہمارے بزرگوں کو اپنے بچپن یا لڑکپن میں حاصل نہ تھیں اسی لیے ان کا ذہن آہستہ آہستہ ترقی کرتا تھا۔ جبکہ آج کل کے بچے چونکہ ترقی یافتہ ماحول میں رہتے ہیں اس لیے ذہنی طور پر جلد تعلیم یافتہ ہو جاتے ہیں۔ پس پتا چلا کہ آج کے بچے اگر ذہین، عقلمند اور سمجھ دار ہیں تو اس کی وجہ یہ زمانہ اور یہ ماحول ہے جس میں وہ رہتے ہیں۔

لیکن ذرا ٹھہریے۔ ابھی ایک ضروری بات تو رہ ہی جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آج کے بچے بہت عقل مند اور ذہین ہیں لیکن یہ بھی تو بتایے کہ کیا یہ بچے بڑے ہو کر بھی اپنے بزرگوں سے زیادہ باصلاحیت اور ہنر مند ہوں گے۔ آپ نے سُنا ہوگا کہ ہمارے بزرگ شکایت کرتے ہیں کہ آج کل کے ایم اے نوکری کی ایک درخواست تک نہیں لکھ سکتے جبکہ ہم لوگ ایسی درخواستیں اسکول کے زمانے میں لکھنا سیکھ جاتے تھے۔ کسی حد تک یہ بات درست ہے اور ایسا اس لیے ہے کہ آج کل بچوں کی کُل تعلیم و تربیت اخبار اور ٹیلی وژن تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ اپنے اسکولوں اور گھروں پر اسی محنت اور لگن سے تعلیم حاصل نہیں کرتے جس طرح ہمارے بزرگ حاصل کیا کرتے تھے۔

اگر آپ میری بات سمجھ گئے ہیں کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں تو پھر آج ہی سے اپنی اس تعلیم کی فکر کیجیے جو آپ کو ریڈیو، ٹیلی وژن اور اخبار نہیں دے سکتا۔ اسے تو آپ صرف اپنی محنت ہی سے حاصل کر سکتے ہیں اور یہی تعلیم آپ کو اس قابل بنائے گی کہ آگے چل کر آپ کے بزرگ کہہ سکیں گے کہ ہاں واقعی نئی نسل علمی زندگی کے میدان میں بھی ہماری نسل سے ایک قدم آگے بڑھ گئی ہے۔

آپ کا دوست
ظفر محمود شیخ

ترسیلِ زر اپنے بینک کے ذریعے کیجئے۔

محفوظ بھی اور باکفایت بھی

فوری ترسیل کے لئے

نیشنل بینک آف پاکستان

کی شاخیں ملک کے قریہ قریہ اور گاؤں گاؤں میں موجود ہیں۔
اور درج ذیل مرکزوں میں "فیکس" کی سہولت بھی حاصل ہے۔
ان مرکزوں کے درمیان ترسیلِ زر کے سلسلے میں آپ کے
ارشاد کی تعمیل پلک جھپکتے میں ہو جاتی ہے۔

DOMESTIC FAX stations and their call numbers.

1)	Islamabad	814987	7)	Peshawar	72553
2)	Lahore	321100	8)	Multan	33570
3)	Gujranwala	41297	9)	Faisalabad	22784
4)	Hyderabad	20169			
5)	H.O. Karachi	2417697			
6)	Quetta	75205			

FOREIGN FAX stations and their call numbers:

1)	Newyork	004-212-344-8826	7)	Bahrain OBU	00-973-274411 & 244186
2)	London	00-44-1-638-7869	8)	Hongkong	00-852-5-8451703
3)	Knightsbridge	00-44-1-235-4705	9)	Kowloon	00-852-3-691780
4)	Glasgow	00-44-41-331-1091	10)	Tokyo	00-81-3-502-0359
5)	Manchester	00-44-61-835-1049	11)	Seoul	00-82-2-734-5817
6)	Frankfurt	00-49-69-74-8151	12)	Beijing	00-86-1-500-3228

بینک الجزیرہ کی تمام شاخوں میں فیکس کی سہولت موجود ہے۔

نیشنل بینک آف پاکستان — بہتر کارکردگی — جدید ٹیکنالوجی

ہیڈ آفس: آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی، پاکستان

ٹیلی فون: ۲۴۱۶۷۸۰-۱۰ لائنز - ۲۴۱۴۰۴۱-۵ لائنز۔ ٹیلکس: ۲۷۳۴-۸۰۶۷-۲۳۷۳۳-۲۳۷۲۳-این بی پی-پی کے

United PID-1-13/89

محمد جمیل اشرف، مراڑیاں، ضلع گجرات ،۔ آپ نے نقالوں کے لیے بلیک بکس کا سلسلہ شروع کیا ہے اسے ذرا احتیاط سے استعمال کیجیے گا، ایسا نہ ہو کہ کسی اچھے قلمکار کی عزت خاک میں مل جائے ۔

○ جو دوسروں کی تحریروں پر ہاتھ صاف کرے گا وہ ہمدردی کا نہیں سزا کا مستحق ہوگا ۔ پھر بھی آپ مطمئن رہیے ۔ بلیک بکس میں کسی چور مصنف کا نام دینے سے پہلے ہم خوب چھان بین کر لیں گے ۔

محمد یونس خٹک، ضلع کرک ،۔ آنکھ مچولی میں اب صرف کہانیوں پر زور دیا جاتا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے آنکھ مچولی اب صرف کہانیوں کی کتاب رہ گئی ہے ۔

○ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ آنکھ مچولی میں صرف کہانیاں پڑھتے ہوں ۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی شمارے کے مضامین کمزور ہوں لیکن مضامین، دلچسپ فیچر اور مستقل سلسلے تو پابندی سے چھپتے ہیں ۔

عصمت اللہ شاھد، پشاور ،۔ آپ اہم شخصیتوں کے انٹرویو شائع کیا کیجیے جن میں سماجی شخصیات، کھلاڑی اور بچوں کے لیے اہم کام کرنے والے حضرات شامل ہو سکتے ہیں ۔

○ جب بھی کوئی ایسی شخصیت ہمیں ملتی ہے جس کا انٹرویو دلچسپ اور معلوماتی ہو سکتا ہو ۔ ہم اس کا انٹرویو ضرور شائع کرتے ہیں ۔ مثلاً اسی رسالے میں آپ چند ذہین بچوں کا انٹرویو پڑھ لیں ۔

ارم سردار، کراچی ،۔ کہانی "لوٹ کے بدھو گھر کو آئے" میں جہاں جہاں بھی لفظ ٹوکیو ہے وہاں آپ نے کیوٹو لکھا ہوا ہے ۔

○ ارم صاحبہ! آپ جسے غلطی قرار دے رہی ہیں وہ آپ کی غلط فہمی ہے ۔ کیوٹو بالکل درست چھپا ہے

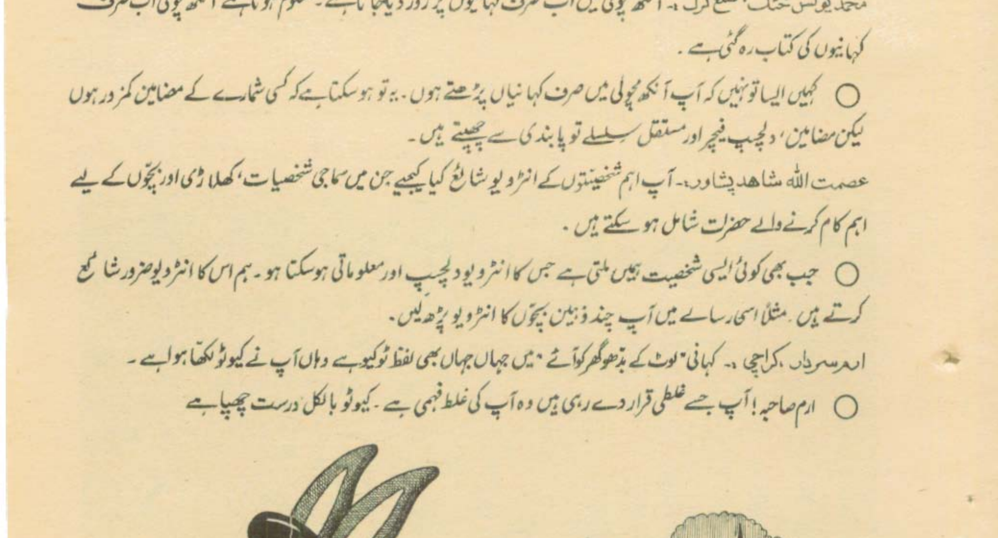

ڈاکیا ڈاک لایا

انور حلیم بلوچ، شہداد کوٹ، لاڑکانہ۔ ایک تجویز یہ ہے کہ آپ "نانی اماں نمبر" نکالیں۔ کیونکہ بچّے کہانیاں سُننے کا آغاز اسی بزرگ ہستی سے کرتے ہیں۔ وہ جواب بھی بچّے ہیں اور وہ جو کبھی بچّے تھے، ان سب کا فرض ہے کہ وہ اس نمبر کے ذریعے نانی اماں کو خراجِ عقیدت پیش کریں۔

○ بھئی تجویز تو مزیدار ہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ نانی اماں ناراض نہ ہو جائیں، بلکہ وہ تو پہلے ہی ناراض ہیں کہ بچّے ان کے پاس اب نہیں بیٹھتے۔ اُن کا کہا نہیں مانتے، اپنی سی کہے جاتے ہیں۔ اگر نانی اماں مان جائیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

آمنہ سعید، کوئٹہ:- آپ نے اپریل میں کہانی "اپریل فول" شائع کی۔ حالانکہ اپریل فول انگریز اس لیے مناتے ہیں کہ یکم اپریل کو انگریزوں نے چار مُغل شہزادوں اور شہزادیوں کا سر کاٹ کر تحفے میں مُغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو پیش کیا تھا۔ اب آپ کیا کہتے ہیں۔؟

○ یہاں تک آپ کی بات بالکل درست ہے کہ ہمیں انگریزوں کی اندھی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔ اپریل فول کا ہماری تہذیب سے کوئی تعلق نہیں. لیکن دو سو سال کی غلامی میں جو بُری عادتیں پڑ جاتی ہیں وہ چالیس سال میں تو ختم نہیں ہوتی ہیں نا.

ایک سائنسی غلطی

کہانی اسپیشل میں عامر یونس کی کہانی "مستقبل" کا مرکزی خیال کچھ یوں ہے کہ ایک سائنسدان روشنی کی رفتار سے تیز سفر کر کے مستقبل کا پتا چلا تا ہے. یہ تصور ہی غلط ہے۔ آئن اسٹائن کے نظریۂ اضافیت کی رُو سے اگر کوئی روشنی کی رفتار سے سفر کرے تو وہ وقت کی رفتار کے مطابق ہو جائے گا اور اس کے لیے وقت رُک جائے گا اور اگر وہ روشنی کی رفتار سے تیز سفر کرے گا تو ماضی میں پہنچ جائے گا۔ شاید آپ کو میری بات عجیب لگے. مگر حقیقت یہی ہے، یقین نہ آئے تو نظریۂ اضافیت کا مطالعہ کر لیں۔ (ذیشان احمد ذکریہ۔ سرگودھا)

عائشہ خان عاشی، لیاقت پور:- بھیا آپ رسالے کے کسی صفحے پر اپنی تصویر شائع کریں۔ آپ کو دیکھنے کا بڑا شوق ہے۔

○ اچھی بہن! ہمیں رسالے میں اپنی تصویر چھپوانے کا خود بہت شوق ہے لیکن یہ سوچ کر نہیں چھپواتے کہ کہیں تصویر دیکھ کر بچّے ڈر نہ جائیں اور آنکھ مچولی پڑھنا چھوڑ نہ دیں.

عبدالعلیم اشرف اور ساتھی، پشاور:- کیا آپ کوئی ایسا سلسلہ شروع نہیں کر سکتے جس میں یورپین ممالک کے لڑکوں کے ساتھ بھی قلمی دوستی ہو سکے. یا پھر مہربانی کر کے کوئی ایسا طریقہ بتا دیں۔

○ اشرف میاں! یورپی ممالک کے لڑکے اگر اُردو زبان سے واقف ہوتے تو یقیناً وہ بھی آنکھ مچولی کے 'قلمی دوستی' کے سلسلے سے فائدہ اٹھاتے، لیکن ایسا ممکن نہیں ہے، آپ یورپ کے انگریزی رسائل اور بعض قلمی دوستی کی کتابوں سے مدد لیں، امید ہے آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

نیاز علی خان، اسٹیل ٹاؤن۔ کراچی:- میں نے 'سول اولمپکس' کے بارے میں ایک مضمون لکھا۔ بیماری کی حالت میں لکھا.

کیونکہ اُس وقت مجھے ٹائی فائیڈ ہوگیا تھا۔ ہماری پھوپھی، پھوپھا، ہیڈ ماسٹر صاحب اور دوستوں نے وہ تحریر پڑھی۔ اور مجھے مبارک باد دی، مگر آپ نے وہ تحریر شائع نہیں کی۔

○ وہ تحریر معیاری نہیں تھی، شاید اس لیے کہ آپ نے بیماری کی حالت میں لکھی تھی۔ اب آپ خوب محنت سے ایک اچھا سا مضمون لکھ کر بھیج دیجیے۔ اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ اپنی صحت کا خیال رکھا کیجیے۔

راحت صلاح الدین (شہر کا نام نہیں لکھا) :- "جستجو شرط ہے" میں پوشیدہ الفاظ اب مُشکل ہوگئے ہیں۔ اپریل کے ساتویں سوال میں جس معدن کا نام پوشیدہ تھا۔ اُسے میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے تنگ آگئی، مجبوراً مدد لینی پڑی۔ تب معلوم ہوا کہ وہ لفظ "جیسم" تھا۔ اب آپ اسے میری کم علمی کہیے کہ یہ لفظ میں نے نہ پہلے کبھی سُنا تھا نہ پڑھا تھا۔

○ پہلے پہل اس میں آسان الفاظ دیے گئے تو پڑھنے والوں کی اکثریت سمجھ گئی۔ لہٰذا اب اسے جان بوجھ کر ذرا سا مشکل بنا دیا گیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو محنت کرنی پڑے اور لطف بھی آئے، لیکن اگر یہ بہت زیادہ مشکل ہے تو اسے آسان کر دیا جائے گا۔

اشفاق احمد راحیل، شکارپور :- آپ سال میں کتنے نمبر نکالتے ہیں؟

○ عام طور پر ہم ایک سال میں تین خصوصی شمارے شائع کرتے ہیں۔ اور یہ ریکارڈ بھی اب تک ہم ہی نے قائم کیا ہے، یہ اپنی تعریف نہیں حقیقت ہے۔

ابرار حسین راهی، گوجرانوالہ چھاؤنی :- آپ اپنے رسالے میں نئے ادیبوں کو زیادہ جگہ دیں اور اُن کی حوصلہ افزائی کریں۔

○ جی بہت بہتر۔

همایوں مجاهد، کھیوڑہ :- میرے اشعار کو ایک نظر دیکھ کر فوراً ہی ردّی صاحبہ کی افطاری نہ کرا دیجیے گا بلکہ یہ دیکھ لیجیے گا کہ آیا یہ نظم کچھ اصلاح کے بعد آنکھ مچولی کی زینت بننے کے قابل ہے یا نہیں۔

○ آپ کی نظمیں اچھی ہیں لیکن شاعری محنت اور ریاضت مانگتی ہے۔ ع عشق پر بیٹھ کر ہر ایک سوار آتا ہے۔ اسی طرح کے مصرعوں کو شاعری کیسے کہا جا سکتا ہے؟

عدیلہ تعظیم، راولپنڈی :- "نام بھی انعام بھی" کے عنوان سے آپ نے ایک مقابلہ کرایا تھا جس میں پانچ موضوعات تھے۔ دو مہینے گزر گئے لیکن ابھی تک اس کی کوئی تحریر شائع نہیں ہوئی۔ نتائج کا اعلان کب تک کیا جائے گا۔

○ خوب یاد دلایا آپ نے۔ اس مقابلے میں ہمیں بے شمار تحریریں موصول ہوئیں۔ ان کا مطالعہ جاری ہے تاکہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔ آخر انعام اور نام دونوں کا معاملہ ٹھہرا نا... جونہی ساری تحریریں پڑھ لی جائیں گی اور فیصلہ ہو جائے گا۔ اعلان بھی کر دیا جائے گا۔ مطمئن رہیے۔

طاہرہ بانو، راولپنڈی :- کیا بات ہے انکل؟ آپ کے پاس صحافی بہت کم ہیں، جن کے پاس انٹرویو لینے کا وقت نہیں ہے اگر یہ بات ہے تو میں حاضر ہوں۔ یقین جانیں اپنے اس پیارے رسالے کے لیے کچھ کر کے دلی مسرت ہوگی۔

○ آپ نے یہ واضح نہیں کیا کہ آپ انٹرویو لینے کے لیے تیار ہیں یا انٹرویو دینے کے لیے۔ اگر آپ انٹرویو لینا چاہتی ہیں تو جو بھی شخصیت قابلِ ذکر ہے اس کا انٹرویو ضرور کیجیے، لیکن پہلے انٹرویو لینے کے لیے ہم سے پوچھ لیجیے۔

ایک بار کی زحمت

سال بھر کا آرام

آنکھ مچولی

گھر بیٹھے ہر ماہ حاصل کرنے کے لیے

صرف ایک بار زحمت کیجیے اور ۱۲ ماہ تک اپنا پسندیدہ رسالہ باقاعدگی سے حاصل کیجیئے۔

آنکھ مچولی کے (۱۲) شماروں کی قیمت مع دو خاص نمبر اور رجسٹرڈ ڈاک خرچ (۱۳۲) روپے بنتی ہے، لیکن خصوصی بچت اسکیم کے تحت آپ کو صرف (۹۰) روپے ادا کرنے ہوں گے۔ یوں گویا بہ یک وقت آپ دو فائدے اٹھا سکتے ہیں۔

① **۴۲** / روپے کی خصوصی بچت۔

② گھر بیٹھے رجسٹرڈ ڈاک سے رسالے کی بحفاظت ترسیل۔

یاد رہے کہ

رسالے کی قیمت میں اضافے کے باوجود زرِ سالانہ میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔

اگر آپ سالانہ خریداری کے لیے ہماری خصوصی بچت اسکیم میں شامل ہونا چاہتے ہوں تو ۹۰ روپے کا منی آرڈر اور مندرجہ ذیل کوائف ایک علیحدہ کاغذ پر روانہ کریں۔

① خریدار کا نام ② مکمل پتہ ③ رسالہ کس ماہ سے جاری کیا جائے ④ فون نمبر (اگر ہو) ⑤ دستخط

"خصوصی بچت اسکیم" ماھنامہ آنکھ مچولی۔ ڈی-۱۱۲- نورس روڈ سائٹ کراچی ۱۶

وطنِ عزیز کے موجودہ ماحول کے حوالے سے بچّوں کے لیے لکھی گئی ایک اُداس غزل

شاہ نواز فاروقی

گلی گلی میں آگ ہے، دھواں ہے، انتشار ہے
ہر ایک سمت ہار ہے، ہر ایک سمت ہار ہے

کبھی، جہاں قدم قدم بسا تھا پیار، اب وہاں
محبّتوں کا درس بھی سماعتوں پہ بار ہے

نگاہ جس کے پاس ہے، وہ جانتا ہے دوستو
وطن کے ہر شہید کی نگاہ اشک بار ہے

میں کون ہوں؟ یہ کون ہے؟ وہ یہ خیال کیوں کرے
جسے وطن عزیز ہے، جسے وطن سے پیار ہے

بس اب تو جلد بھیج دے، تو جانتا ہے اے خُدا
ہمیں پھر اک جناحؒ کا شدید انتظار ہے

اب ایک زنجیر اور !

حکومت کی جانب سے نیوز پرنٹ پر =/۳۰۰۰ روپے فی میٹرک ٹن امپورٹ ڈیوٹی کا نفاذ

قومی پریس پر اقتصادی پابندی کا آغاز۔

حکومت پاکستان کی جانب سے نیوز پرنٹ کی درآمدات پر عائد کردہ موجودہ امپورٹ سرچارجز مبلغ =/۲۰۰۰ روپے ہیں لیکن اب موجودہ حکومت نے غیر متوقع طور پر نیوز پرنٹ کی درآمدات پر مبلغ =/۳۰۰۰ روپے فی میٹرک ٹن کا مزید اضافہ یک لخت کر دیا ہے جو سارک ممالک میں سب سے زیادہ ہے۔

حکومت نے امپورٹ ڈیوٹی میں اس حیرت انگیز اضافے کا سبب مقامی انڈسٹری کو تحفظ فراہم کرنا ظاہر کیا ہے جبکہ مقامی طور پر نیوز پرنٹ کی پیداوار ہی نہیں ہوتی۔

یہ نیا ٹیکس مالی اعتبار سے پریس میڈیا کو نقصان پہنچانے کے ساتھ کاغذ کی مقامی انڈسٹری کے لئے بھی نقصان دہ ثابت ہوگا کیونکہ اس سے ان لوگوں کو مواقع حاصل ہوں گے جو دوسرے قسم کے کاغذ کو نیوز پرنٹ ظاہر کر کے ناجائز فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

امپورٹ ڈیوٹی میں بے تحاشہ اضافہ اخبارات کی قیمت میں اضافے کا باعث ہوگا جو درحقیقت علم اور معلوماتِ عامہ کی راہ میں ایک سنگین رکاوٹ ہے۔

لہذا

ہم وزیر اعظم، محترمہ بینظیر بھٹو سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ برائے مہربانی اس امپورٹ ڈیوٹی کو واپس لے کر آزادئ صحافت کے نفاذ سے متعلق اپنے کئے ہوئے وعدے کو پورا کریں۔

APNS

آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

اسپکٹرم کمیونیکیشنز لمیٹڈ نے آزادئ صحافت کے لئے تیار کیا۔

ادارہ آنکھ مچولی نے ریاست کے چوتھے ستون کے استحکام کے لیے جذبہ خیر سگالی کے تحت شائع کیا

ایک دفعہ کا ذکر ہے

طاہر مسعود

ارسلان، انعم اور ببلو کو کہانیاں سننے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ میں جب بھی ان کے گھر جاتا تینوں بھائی بہن بضد ہو جاتے کہ میں انہیں کوئی اچھی سی کہانی سناؤں۔ تینوں ہی بچے ذہین اور سمجھدار تھے۔ لیکن بدقسمتی سے مجھے کہانیاں یاد نہیں رہتی ہیں۔ اس لیے میں ہر بار انھیں ٹال دیتا تھا اور کہتا تھا اب کے آؤں گا تو تم لوگوں کو ایک مزیدار کہانی سناؤں گا بچے میری بات کا یقین کر لیتے، لیکن آخر کب تک۔ ایک روز میں نے کہانیوں کی ایک کتاب سے ایک دلچسپ سی کہانی پڑھ کر ذہن نشین کر لی۔ اور ان بچوں کے گھر پہنچتے ہی آواز لگائی۔

"ارسلان، انعم، ببلو، بھئی تم لوگ کہاں ہو؟ آؤ میں تمہیں کہانی سناتا ہوں"۔

تینوں بہن بھائی کمروں سے نکل کر بھاگتے ہوئے آئے۔ خوشی ان کے چہروں سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ وہ میرے گرد بیٹھ گئے اور میں نے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

"پیارے بچو!"

"انکل!" ارسلان نے ہاتھ اُٹھا کر کہا: "ببلو بچہ ہے میں تو بچہ نہیں ہوں، میں بڑا ہو گیا ہوں اور اسکول

جاتا ہوں۔"

"سوری! " میں نے معذرت کی "ہاں تو اچھے ارسلان اور پیارے بچو!"

"میں تو بچی ہوں انکل، بچہ تو بلو ہے۔" انعم نے احتجاج کیا۔

"اوہو میں تو بھول ہی گیا تھا، اچھا میں پھر سے شروع کرتا ہوں۔ اچھے ارسلان، پیارے بچوں اور بچیوں... !"

"انکل کیا بچہ ہونا بُری بات ہے؟" بلو نے بیچ میں ٹوک دیا۔

"نہیں بھئی ایسی بات نہیں ہے۔ بچے تو ہمیشہ بہت اچھے ہوتے ہیں۔" میں نے اُسے تسلی دی۔

"تھینک یو انکل۔ آپ بھی تو کتنے اچھے ہیں۔" بلو نے سادگی سے کہا۔

"ہاں تو ملک فارس میں ایک بادشاہ تھا۔" میں نے کہانی شروع کی۔

"کیا وہاں جمہوریت نہیں تھی؟" ارسلان نے پوچھا۔

"بیٹے! اس زمانے میں جمہوریت نہیں ہوا کرتی تھی۔"

"پھر تو الیکشن بھی نہیں ہوتے ہوں گے۔"

"نہیں بھئی نہیں ہوتے تھے۔ اب کہانی بھی سنو گے یا سوال ہی کیے جاؤ گے۔" میں نے تنگ آکر کہا۔

"آئی ایم سوری انکل۔" ارسلان کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔

"تو وہ بادشاہ نہایت رحم دل اور انصاف پرور تھا۔ اس کی سات بیٹیاں تھیں۔"

"سات بیٹیاں؟" انعم حیرت سے چیخی۔

"ہاں بھئی سات بیٹیاں تھیں۔"

"مگر انکل۔ بچے تو دو ہی اچھے ہوتے ہیں نا۔"

"اور کیا۔ کم بچے خوشحال گھرانہ" ارسلان نے کہیں سے پڑھا اور سُنا ہوا اشتہار دہرا دیا۔

"تم لوگوں نے یہ کیا بے وقوفی کی باتیں شروع کر دیں۔" میں نے غصّے سے کہا۔

"انکل کیا یہ بے وقوفی کی باتیں ہیں؟" انعم نے پوچھا۔

"بالکل... سوفیصد۔"

"تو پھر یہ ٹیلی وژن پر کیوں دکھائی جاتی ہیں۔"

"انکل، کہانی سُنائیے نا۔" بلو نے بور ہو کر کہا۔

"ہاں تو بلو۔ بادشاہ کی ساتوں بیٹیاں ایک سے ایک حسین تھیں، لیکن ان میں چھوٹی بیٹی حسین بھی تھی۔

اور عقلمند بھی "۔

"ایک سوال؟" ارسلان نے ہاتھ اُٹھایا۔

"پوچھو۔ مگر جلدی سے"

"انکل - یہ ہر بادشاہ کی چھوٹی بیٹی ہی سب سے عقلمند کیوں ہوتی ہے؟"

میں اس سوال کے لیے تیار نہ تھا۔ ایک لمحے کے لیے چکرا گیا۔ پھر سنبھل کر کہا "ارسلان بیٹے۔ کہانیوں میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ بادشاہوں کی چھوٹی بیٹیاں اور چھوٹے بیٹے عقلمند، بہادر اور نیک دل ہوتے ہیں"

"خیر آگے سُنائیے" ارسلان نے بے دلی سے کہا جیسے وہ میرے جواب سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

"تو ہوا یوں کہ بادشاہ کی چھوٹی بیٹی سے اُس کی ساری بہنیں جلتی تھیں کیونکہ بادشاہ اُسے بہت چاہتا تھا"

"مگر انکل" انعم بولی "آپ نے بتایا تھا کہ بادشاہ انصاف پرور تھا۔ پھر وہ صرف چھوٹی بیٹی ہی کو سب سے زیادہ کیوں چاہتا تھا۔ یہ تو ناانصافی ہوئی نا"

"بات تو تمہاری درست ہے۔ لیکن دیکھو نا انعم جو بچے عقل مند اور سمجھ دار ہوتے ہیں، ماں باپ کو وہ زیادہ پیارے ہوتے ہیں"

"اچھا پھر کیا ہوا؟"

"پھر ایک دن بادشاہ نے سوچا کہ اپنی تمام بیٹیوں کا امتحان لے۔ اس بات کا امتحان کہ ان میں سے کون سی بیٹی اُسے سب سے زیادہ چاہتی ہے"

"انکل۔ کیا بادشاہ کو اتنی سی بات معلوم نہیں تھی؟"

"بھئی نہیں معلوم ہوگی جبھی تو وہ امتحان لینا چاہ رہا تھا"

"او ہو یہ تو بڑے افسوس کی بات ہے۔ بے چارہ بادشاہ" انعم نے مایوسی سے کہا۔

"پھر بادشاہ نے کس طرح امتحان لیا؟" ببلو نے پوچھا۔

"بادشاہ نے کہا... مگر بھئی" میں نے بور ہو کر کہا "چھوڑو اس کہانی کو، تم لوگوں کو مزہ نہیں آرہا ہے"

"نہیں، نہیں ہمیں بہت مزہ آرہا ہے۔ ہم تو پوری کہانی سنیں گے" ارسلان نے کہا۔

"ایک شرط پر کہانی سناؤں گا کہ کوئی بیچ میں نہیں بولے گا"

"ٹھیک ہے۔ ہم نہیں بولیں گے" تینوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"بادشاہ نے اپنی بڑی بیٹی سے پوچھا" بتاؤ میں تمہیں کس چیز سے زیادہ عزیز ہوں؟" بیٹی نے جواب

دیا" دنیا بھر کی دولت اور لعل و جواہر سے"۔ بادشاہ نے یہی سوال دوسری بیٹی سے کیا۔ اس نے کہا،
"آپ مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہیں"۔ اس طرح بادشاہ سب سے سوال کرتا گیا۔ اور ساری بیٹیوں نے ایسے ہی جوابات دیے۔ لیکن جب اُس نے اپنی چھوٹی بیٹی سے پوچھا تو وہ بولی۔

"آپ مجھے نمک سے زیادہ عزیز ہیں"

"کیا اس زمانے میں نمک بہت مہنگا ہوتا تھا؟" انعم نے پوچھا۔

"دیکھو انعم۔ تم نے پھر معاہدے کی خلاف ورزی کی"۔ میں نے اُسے یاد دلایا۔

"اوہو میں بھول گئی تھی"۔ انعم نے معذرت کی۔

"ہاں تو بادشاہ کو یہ سُن کر بہت غصّہ آیا اور اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ چھوٹی شہزادی کو گرفتار کرلے"۔۔

"بس اتنی معمولی بات پر"۔ ارسلان نے کہا۔

"بھئی بادشاہ وغیرہ جو ہوتے ہیں ناوہ اتنے ہی نازک مزاج ہوتے ہیں"۔

"انکل یہ تو ظلم ہے۔ خود ہی سوال کیا اور پھر خود ہی گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ یہ تو ڈکٹیٹرشپ ہے"۔

"بادشاہ وغیرہ ڈکٹیٹر ہی ہوا کرتے تھے ارسلان"۔

"پھر کیا ہوا۔ شہزادی عدالت سے ضمانت پر رہا ہوگئی ہوگی"۔

"گھاس کھا گئے ہو کیا؟" میں نے غصّے میں کہا۔

"ارسلان، انعم جلدی آؤ! ٹی وی لاؤنج سے طارق کی آواز آئی۔ طارق، ارسلان کا بڑا بھائی تھا۔

"ہم لوگ انکل سے کہانی سُن رہے ہیں"۔ ارسلان نے چیخ کر جواب دیا۔

"ٹی وی پر "اسٹار ٹریک" شروع ہوگیا ہے"۔ طارق وہیں سے دوبارہ چلّایا۔

"مائی گاڈ۔ جلدی چلو"۔ انعم نے بیتابی سے کہا اور تینوں بچّے گرتے پڑتے وہاں سے ٹی وی لاؤنج کی طرف بھاگے۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے دل ہی دل میں توبہ کی کہ آئندہ جو کبھی ان بچّوں کو کسی بادشاہ کی کہانی سُنائی۔

نورس پھلوں سے بنا پھولوں میں بسا

جام جیلی مارملیڈ
اب نئے انٹرنیشنل پیک میں
AHMED PRESERVES
Produce of Pakistan
AHMED
RASPBERRY
JAM
AHMED FOOD INDUSTRIES (PVT) LTD
Produce of Pakistan
AHMED
APPLE
JELLY
AHMED FOOD INDUSTRIES (PVT) LTD
Produce of Pakistan
AHMED
ORANGE
MARMALADE
AHMED FOOD INDUSTRIES (PVT) LTD
قدرت نے ذائقہ دیا احمد نے محفوظ کیا
Orient

کہیں درخت، کہیں شاخ اور کہیں دھرتی
ہمارے واسطے بستر کا کام دیتے ہیں

(۱)

(۳)

(۲)

(۴)

۱۔ پیڑ پہ چڑھ کے سونے سے خواب انوکھے آتے ہیں۔
۲۔ یہ پلاسٹک کی کالی تھیلیاں نہیں، اُلٹی لٹک کر سوتی ہوئی چمگادڑیں ہیں۔
۳۔ جو دن میں سوجاتا ہے، وہ اُلّو کہلاتا ہے۔
۴۔ اِک ٹانگ کو اُٹھا کر، اک ٹانگ کو جما کر لم ڈھینگ سو رہے ہیں۔

آجا پیاری نندیا

شانی ایوب

معاف کیجیے گا ہے تو بے ڈھنگا اور بے وقوفانہ سا مشورہ مگر پھر بھی ذرا لمحہ بھر کو تصور کیجیے کہ آج رات آپ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر سوئیں گے۔ اور آنے والے کل میں کسی تالاب میں تیرتے ہوئے اور اُس سے اگلے روز چھت سے اُلٹے لٹک کر۔ دیکھتے دیکھتے آپ ہمیں ہتکِ عزت کے مقدمے کی دھمکی مت دیں۔ آپ یہی کہہ رہے ہیں نا کہ ایسا ممکن نہیں؟ یعنی نہ صرف یہ کہ ان طریقوں سے سونا بلکہ ان طریقوں سے سونے کا تصور کرنا بھی۔ ہمیں آپ سے اتفاق ہے کہ یہ ممکن نہیں۔ اس لیے کہ یہ نہ صرف آپ کے لیے بلکہ کسی بھی انسان کے لیے ممکن نہیں۔ حتیٰ کہ خود ہمارے لیے بھی نہیں، لیکن اگر خدانخواستہ، خدانخواستہ آپ یا ہم ہاتھی، لمڈھینگ، اُود بلاؤ یا چمگادڑ وغیرہ ہوتے تو پھر ایسا ممکن تھا۔ جی ہاں جانور انسانوں کے برعکس ایک طرح نہیں سوتے بلکہ ان کے سونے کے طریقے ایک دوسرے سے مختلف اور عجیب و غریب ہیں۔

مثال کے طور پر ہاتھی کھڑا ہو کر سوتا ہے۔ اسی طرح سُرخ سر والا لمڈھینگ بھی کھڑے ہو کر سوتا ہے۔ اور مزے کی بات یہ کہ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر سوتا ہے۔ لمڈھینگ خشکی پر بھی سو سکتا ہے اور پانی کے اندر کھڑے

نیند کانٹوں پہ بھی آجاتی ہے آرام کے ساتھ

ہوکر بھی۔ ایک ٹانگ پر کھڑے ہوکر سونے کے بارے میں سائنس دانوں کا خیال ہے کہ اس طرح لمڈھینگ اپنے جسم کی حرارت کو محفوظ رکھتا ہے۔ لمڈھینگ اور ہاتھی کے برعکس چمگادڑ درخت وغیرہ پر الٹا لٹک کر سوتا ہے جبکہ سمندری

ٹیڈی بیئر درخت کے تنے سے لپٹ کر سوتے ہوئے... جیسے بچّے ماں سے لپٹتے ہیں۔

چمپینزی ٹہنیوں میں سوتے ہوئے

اُود بلاؤ پانی پر تیرتے ہوئے سوتا ہے۔ تیرتے ہوئے سونے سے مراد یہ نہیں کہ وہ تیرتا بھی رہتا ہے اور سوتا بھی، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اُود بلاؤ سونے کے لیے پانی پر لیٹ جاتا ہے۔ سونے سے قبل وہ اپنے جسم سے سمندری بیلوں کو لپیٹ لیتا ہے تاکہ سمندر کی لہریں اُسے بہا کر نہ لے جائیں۔

کنگارو کے بچے مادہ کنگارو کے پیٹ سے لٹکی ہوئی تھیلی میں نیند لیتے ہیں۔ کچھ جانور زمین پر سوتے ہیں، اور کچھ زیرِ زمین، البتہ کچھ جانور جیسے شیر ایسے بھی ہیں جو زمین پر بھی سوتے ہیں اور کبھی کبھی درختوں پر بھی۔

ان جانوروں میں کچھ جانور دن میں سوتے ہیں اور کچھ رات کو جیسے اُلّو اور چمگادڑ دن میں سوتے ہیں اور سمندری اود بلاؤ وغیرہ رات کو۔

سوال یہ ہے کہ کیا سب حیوانات سوتے ہیں ؟

سائنسدان ابھی تک اس بارے میں کوئی واضح جواب نہیں دے سکے ہیں۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ تمام حیوانات ۲۴ گھنٹوں میں کچھ دیر کے لیے اپنی تمام سرگرمیاں معطل کر کے سستاتے ضرور ہیں۔ مگر ان کے سستانے کا یہ عمل نیند ہے یا نہیں، یہ ایک ایسا معمہ ہے جو ابھی تک حل نہیں ہوسکا۔

کیا آپ کو معمّے حل کرنے کا شوق ہے ؟ ہے! تو ذرا آپ ہی اس معمّے کو حل کرنے کی کوشش کیجیے۔

پانی اور نیند میں غرق ایک ریچھ

ڈکٹیٹر کا انجام

جینز لنگ
سیّد خورشید عالم

۳۰ اپریل ۱۹۴۵ء کو تین بج کر پچاس منٹ پر پستول کی آواز نے مجھے بتادیا کہ ایڈولف ہٹلر نے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا ہے۔ میں اس وقت برلن میں ۳۰ فٹ نیچے ایک مورچے کے میپ روم کے باہر کھڑا تھا۔ دور سے روسی فوجوں کے آنے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ میرے پاس وقت بہت کم تھا۔ میں نے اپنے حواس مجتمع کیے اور میپ روم میں داخل ہو گیا۔ ایک کوچ پر نیم دراز حالت میں ایڈولف ہٹلر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی دائیں کنپٹی میں سوراخ سے خون کے قطرے ٹپک کر اس کے گال پر گر رہے تھے۔ اس کے یونیفارم پر صرف چند شکنیں تھیں۔ اس کے دائیں ہاتھ کے نیچے فرش پر ۶۵ء ۷ بور کا ایک پستول پڑا ہوا تھا۔ جبکہ اس سے ایک

گز کے فاصلے پر ۳۵ء۶ بور کی بندوق بھی پڑی ہوئی تھی۔ کوچ پر اس کے قریب ہی ایوا براؤن کا بے جان جسم بھی پڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی نشان نہیں تھا۔ وہ ہٹلر سے چند منٹ قبل ایک زہریلے کیپسول کو نگل کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر چکی تھی۔ اسی روز اپنی موت سے پہلے میرے آقا نے اپنے پالتو کتوں کو بھی گولی مار دی تھی۔ ہٹلر کو کتوں سے بڑا پیار تھا۔

پانچ روز قبل ۲۵ اپریل ۱۹۴۵ء کو ہٹلر نے مجھے میپ روم میں بلوایا۔ یہ میپ روم ہٹلر کا ہیڈ کوارٹر اور مواصلات کا مرکز تھا۔ میں جب کمرے میں داخل ہوا تو وہ کسی بے جان بُت کی طرح وسط میں رکھی میز کے قریب کھڑا تھا۔ میں نے اُسے سیلوٹ کیا۔ اس نے میرے سیلوٹ کا جواب دیا۔ اس کی نگاہیں مجھ پر مسلسل جمی ہوئی تھیں۔ چند لمحے بعد اُس نے کہا۔

"لنگ میں تمہیں اپنی خدمات سے آزاد کرتا ہوں۔ تم اپنے خاندان کے پاس چلے جاؤ۔"

"سر۔ میں آپ کے ساتھ اچھے دنوں میں رہ چکا ہوں۔ اور میں آئندہ بھی آپ ہی کے ساتھ رہوں گا۔ چاہے حالات کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔" میں بولا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نمودار نہ ہوا۔ چند لمحے کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

"تو پھر تمہارے لیے ایک اہم حکم ہے۔ میں نے اور فراؤلن براؤن (ایوا) نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم اکٹھے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیں گے۔ تمہارا کام صرف یہ ہوگا کہ ہماری لاشوں کو تم جلا ڈالو گے۔ میں نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد بھی مجھے کوئی یاد رکھے۔ ہماری لاش کو کمبل میں لپیٹ کر اس پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دینا۔ جب ہماری لاشیں جل جائیں تب میرے کمرے سے ہر چیز اکٹھی کر لینا۔ میری یونیفارم، کاغذات اور ہر وہ چیز جو میرے زیرِ استعمال رہی ہو، جمع کر کے اُسے بھی آگ لگا دینا۔ صرف فریڈرکِ اعظم کی تصویر جو میری ڈیسک پر رکھی ہے اسے مت جلانا۔ کیا تم نے میرا حکم سُن لیا ہے لنگ؟"

"جی ہاں سر۔ میں آپ کی ہدایات پر عمل کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہٹلر فرار ہونے کے بجائے برلن میں مرنا پسند کرتا تھا۔

"اگر روسیوں نے مجھے زندہ پکڑ لیا تو وہ مجھے ماسکو لے جائیں گے اور مجھے کسی نمائش میں کھڑا کر دیں گے۔ میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا۔" وہ ہسٹریائی انداز میں چلّا کر بولتا رہا۔

اپنی موت سے دس دن قبل ۲۰ اپریل کو ہٹلر نے اپنی چھپنویں سالگرہ منائی تھی۔ گوئرنگ، ربن ٹروپ

کیٹل اور بورمین جیسے اعلیٰ افسران نے بھی اس کی سالگرہ کی تقریب میں شرکت کی۔ اس دن ہٹلر نے بے حساب چائے پی۔ چائے اس کا سب پسندیدہ مشروب تھا۔ ایوا براؤن مہمانوں کی تواضع کر رہی تھی، ہٹلر اُسے بڑا عزیز رکھتا تھا۔ انہی دنوں ایوا نے مجھے ایک دن بُلا کر کہا۔

"اگر ہمارے بچاؤ کی کوئی تدبیر پیدا نہ ہو سکی تو ہٹلر کے ساتھ مرنا میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہوگی"۔

۲۹ اپریل کو ہٹلر اور ایوا براؤن کی شادی کی تقریب بھی اسی میپ روم میں انجام پائی۔ گویا اپنی موت سے چند گھنٹے قبل دونوں نے اپنی زندگی کی سب سے اہم خوشی حاصل کر لی۔ شادی کی تقریب میں ایوا براؤن سب سے زیادہ خوش نظر آرہی تھی۔ میں نے اس سے قبل اُسے اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا۔

میں نے بڑی احتیاط سے کمبل میں دونوں کے جسموں کو لپیٹا۔ پھر دو محافظوں کے ہمراہ انہیں باہر لے کر آیا۔ دونوں لاشیں اس طرح کمبل میں لپٹی ہوئی تھیں کہ ان کے کھلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ایوا براؤن نے گہرے نیلے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ پاؤں میں بہترین اطالوی جوتے اور ہاتھوں میں قیمتی زیور اور گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ میں پٹرول کمبل میں لپٹے دونوں کے جسموں پر چھڑکنے لگا۔ اس کے بعد میں نے دونوں کی میتوں کو آگ دکھادی۔ آگ کے شعلے تیزی سے بلند ہونے لگے۔ میرے ساتھ میجر گینشے اور دونوں مسلح محافظ موجود تھے۔ ہمارے علاوہ گوئبلز۔ بورمین اور ایکس مین بھی موجود تھے۔

تھوڑی دیر بعد میں مُڑا اور میپ روم میں داخل ہو گیا۔ میری ذمّے داری کا دوسرا مرحلہ آپہنچا تھا۔ مجھے ہٹلر کے استعمال کی ہر چیز کو ٹھکانے لگانا تھا۔ جب میں اس فرض سے فارغ ہو کر باہر آیا تو معلوم ہوا کہ محافظوں نے ہٹلر اور ایوا براؤن کی راکھ کو دفن کر دیا ہے۔

روسی فوجیں برلن میں داخل ہو چکی تھیں۔ مجھے گرفتار کر کے قید کر دیا گیا۔ میں گیارہ سال قید کاٹ کر اکتوبر ۱۹۵۵ میں رہا ہُوا۔ میں نے دس سال تک ہٹلر کو بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آخری دنوں میں ہٹلر پاگل ہو گیا تھا۔ وہ پردے نوچ دیتا تھا یا پاگلوں جیسی حرکتیں کرنے لگتا تھا۔ حالانکہ یہ ساری باتیں قطعی بے بنیاد ہیں۔ میں نے اس تمام عرصے میں ہٹلر میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی تقاریر کی ریہرسل کرتا تھا۔ اسے نظر کا چشمہ لگانے سے نفرت تھی مگر اس کی ایک عادت بڑی عجیب تھی وہ تقریر کے دوران چشمے کو ہاتھ میں مضبوطی سے تھامے رہتا اور کسی خاص نکتے پر انتہائی

جوش کے عالم میں وہ ہاتھ کو بلند کر کے چشمہ توڑ دیتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اُس نے تیس چشمے متعدد تقاریر کے دوران توڑ ڈالے ۔

آخری دنوں میں اس کی بائیں آنکھ پھڑکنے لگی تھی جس کی وجہ سے اُسے ٹھیک طرح نظر نہیں آتا تھا۔ وہ بے خوابی کا شکار بھی ہو گیا تھا۔ معدے کے درد نے بھی اُسے آگھیرا تھا۔ جس کے لیے وہ عام تقاریر سے پہلے اور بعد میں انجکشن لگوایا کرتا تھا۔ اس کے ذاتی اسٹاف میں ڈاکٹر تھیو موریل ہی تھا جس پر ہٹلر کو بہت بھروسہ تھا۔ یہ ڈاکٹر ۱۹۳۶ء سے ہٹلر کے ساتھ تھا۔ ہٹلر اس کے علاج کی بڑی تعریف کرتا تھا۔

جنگ کے دنوں میں جوں جوں شدت پیدا ہوتی گئی۔ ہٹلر اپنا زیادہ وقت اس زیرِ زمین مورچے میں گزارنے لگا۔ جو لوگ اُسے وہاں دیکھنے آتے اُنہیں یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا کہ ہٹلر تیزی سے بوڑھا ہوتا جا رہا ہے۔

جب مجھے روسی فوجوں نے گرفتار کیا تو مجھے کہا گیا کہ میں وہ جگہ دکھاؤں جہاں میرے بیان کے مطابق ہٹلر دفن کیا گیا تھا۔ میں اندازے سے اُنہیں ایک جگہ لے گیا۔ جہاں میرا خیال تھا کہ ہٹلر مدفون ہوگا، مگر وہاں اس کی لاش نہ مل سکی۔ میرا خیال ہے اور ممکن ہے یہ غلط بھی ہو کہ ہٹلر اور اس کی بیوی ایوا براؤن کو ان محافظوں نے کسی مشترکہ قبر میں اس مورچے کے قریب ہی کہیں دفنا دیا ہو۔

راہ نُما
سچّی قرآنی کہانیوں کا
خوبصورت مجموعہ

قرآن کی سچّی کہانیاں
بچوں کی تربیت میں
نہایت اہم کردار
ادا کر سکتی ہیں
راہ نُما کے حصول کے لیے
دس روپے کے
ڈاک ٹکٹ ارسال کیجیے ،

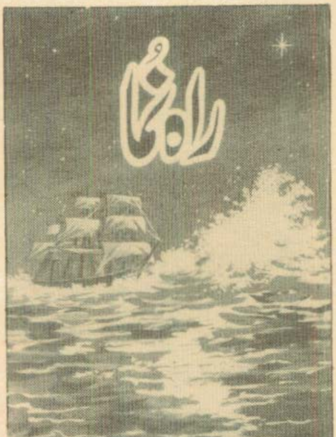

تکون کہاں سے شروع ہوا
کہاں ختم ہوا ---؟
اسے کہتے ہیں فریبِ نظر

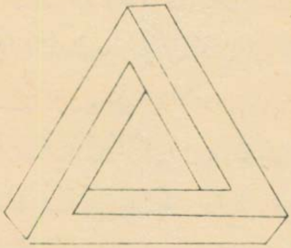

ٹائر پنکچر ہو گیا!
مگر کس چیز سے؟
آپ اس پریشان حال ڈرائیور کی
مدد کر دیجیے۔

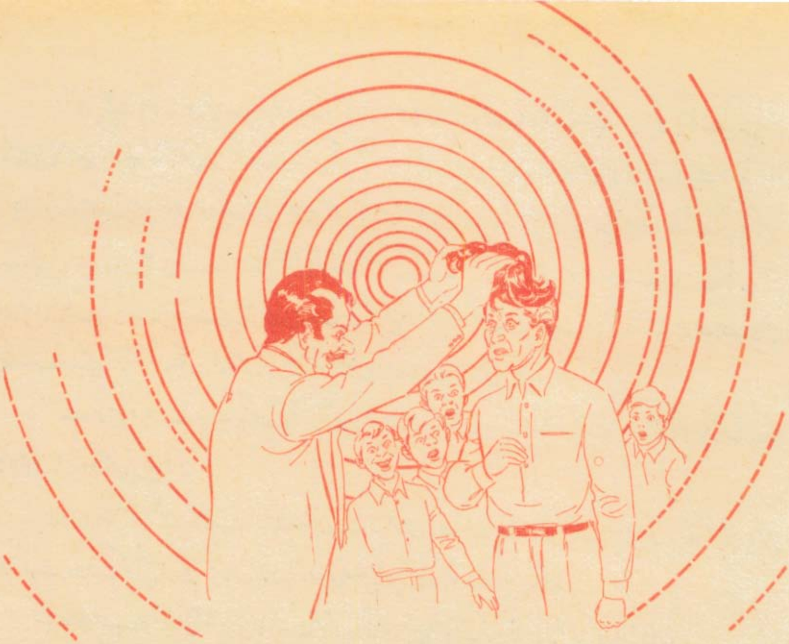

قسمت گھر

پہلا حصہ

مصطفیٰ چاند

"اُف خُدایا!" طاہر نے جھلّا کر کتاب میز پر پٹختے ہوئے کہا: "جینا تو خیر ہے ہی مُشکل، مگر مرنا بھی کتنا مشکل ہوگیا ہے۔"

"کیوں بھئی! مرنا کیوں مُشکل ہے ابھی چلّو میں پانی لو اور کُود جاؤ۔" احتشام نے سنجیدگی سے مداخلت کی۔

"میں سنجیدہ ہوں اور تم لوگوں کو مذاق کی سُوجھ رہی ہے۔" طاہر نے غصّے سے احتشام کو گھُورا۔

"سنجیدہ ہونے کے لیے دو چیزیں بہت ضروری ہوتی ہیں۔ ایک تو انسان ہونا اور دوسرا سنجیدگی کا ہونا۔" حسنات نے رسالے کی ورق گردانی کے دوران نگاہیں اُٹھائے بغیر کہا۔ حسنات نے بات کیا ختم کی، طاہر کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ چند لمحوں تک حسنات کو گھُورتا رہا۔ شاید اُسے جوابی حملے کے لیے کوئی مناسب جُملہ نہیں سُوجھ رہا تھا۔ یہ تو تھی ہی طاہر کی کمزوری کہ موقع پر اُسے کوئی لفظ ہی سمجھ نہ آتا اور بعد میں ایسے ایسے جُملے دماغ میں اُترتے کہ وہ جھلّا کر رہ جاتا۔

ابھی پچھلے دنوں ہی جب بیریوں کے درخت بیروں سے لدے ہوئے تھے کہ بدر کی پتنگ ایک بیری میں جا پھنسی۔ لاکھ کوشش کی، مگر بلندی اتنی تھی کہ کامیابی نہ ہوئی۔ پھر یوں بھی بیری کے نوکیلے کانٹے اور سیاہ موٹے موٹے چیونٹوں کو دیکھ کر تو کسی کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ بیری پر چڑھ کر آٹھ آنے کی پتنگ کے لیے اپنا بدن بھی چھلنی کرے اور چیونٹوں کو بھی مشتعل کرے، مگر پھر وہی ہوا۔ سب نے طاہر کی منتیں کیں اور بہلا پھسلا کر اُسے درخت پر چڑھنے پر رضامند کر لیا۔ آدھے گھنٹے کی تکلیف دہ مشقت کے بعد جب طاہر پتنگ لے کر نیچے اُترا تو جگہ جگہ سے اُس کی کُہنی خراشوں سے سُرخ ہو رہی تھی۔

"ارے طاہر! بدر نے پہلے پتنگ کو اُس کے ہاتھ سے لیا اور پھر کہنے لگا: "تم نے یوں ہی نمبر بڑھائے، یہ کام تو میں خود بھی کر لیتا۔"

طاہر جو ستائشی جُملے سُننے کے انتظار میں اپنے زخموں سے بے پروا تھا، ایک دم بھڑک اُٹھا مگر پھر وہی ہوا۔ اُسے بروقت کوئی جملہ ہی سُجھائی نہ دیا اور تمام لڑکے ہنستے ہوئے نکل گئے۔

ایسے ہی جب وہ انتہائی ضروری کام سے موٹر سائیکل پر جا رہا تھا کہ وقار نے اُس کو آواز دی۔

"بہت ضروری کام سے جا رہا ہوں، واپس آ کر بات سنوں گا۔" طاہر نے چلتے ہوئے کہا۔

"بس صرف ایک منٹ۔" وقار نے بَلا کی سنجیدگی سے کہا۔ مجبوراً طاہر کو رُکنا پڑا۔

"ہاں کہو!" طاہر نے وقار کے پاس آ کر موٹر سائیکل روکی۔

وقار نے اطمینان سے پوچھا: "تمھارے بھائی کتنے ہیں؟"

طاہر نے چونک کر وقار کو دیکھا: "کیا یہی ضروری بات تھی؟" اُسے غصہ آ گیا۔

"تم بتاؤ تو..." وقار نے اب بھی سنجیدگی کا خول چڑھائے رکھا۔

"پانچ بھائی ہیں۔" طاہر نے بلا جھجھک کہا۔

"اگر دس ہوتے تو میرا کیا کر لیتے!" وقار نے اتنا کہا اور واپس مُڑ گیا۔ طاہر اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ حسبِ معمول وہ اُسے کچھ نہ کہہ سکا۔

اس وقت وہ اپنے تمام دوستوں کے ساتھ کمرے میں بیٹھا تھا مگر شروع ہونے والی اس نوک جھونک نے اُسے مشتعل کر دیا تھا۔

"میں مرنا چاہتا ہوں اور تم لوگ مذاق سمجھ رہے ہو۔" طاہر نے برہمی سے کہا۔

"تو پھر بتاؤ ہم کیا کریں۔ "خودکشی کے آسان طریقے" تم کل سے پڑھ رہے ہو۔ کیا کتاب پسند نہیں آئی؟"

کاشف نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔
"نہیں یار! اس میں درج طریقے خاصے مشکل ہیں، بلکہ بعض تو ۔۔۔" طاہر اُن طریقوں کے تصوّر ہی سے کانپ گیا۔
"بھئی مشکل کیا، گلے میں پھندا ڈالو اور کہیں لٹک جاؤ ۔۔۔" نیاز نے بے نیازی سے کہا۔
"پھر کیا ہوگا ۔۔۔؟" طاہر نے حیرانگی سے دریافت کیا۔
"پھر تم طاہر سے طاہر مرحوم ہو جاؤ گے اور بس!" احسنات نے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔
"نہیں کوئی آسان ترکیب بتاؤ!" طاہر نے ناگواری سے کہا۔
"ارے واہ! کیا ترکیب آئی ہے" آصفہ چٹکی بجاتے ہوئے بولی
"کیا ۔۔۔ کیا ۔۔۔؟" طاہر نے بے تابی سے پوچھا۔
"کہ تم سانس روک کر لیٹ جاؤ۔ نہ پھندے کا چکر، نہ خرچے کا دھڑکا۔ بس جب تم ٹھنڈے پڑ جاؤ گے۔ تو ہم تمھیں کہیں دبا آئیں گے۔"
"واہ، کیا خوبصورت ترکیب ہے لیکن اس سے خوبصورت ترکیب تو یہ ہے کہ تم اپنے رزلٹ کا انتظار کر لو، اس کے بعد تو تمھارے پاپا خود ہی تمھاری اس اُلجھن کو دُور کر دیں گے" وقار نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ اُسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔
"جاؤ شانی، ذرا دیکھنا کون ہے ۔۔۔" طاہر نے شانی کو مخاطب کیا۔
"شہ بالا آیا ہے ۔۔۔" شانی نے وہیں سے ہانک لگائی۔
"شہ بالا ۔۔۔! شاید کوئی شادی میں آیا ہے اُسے بتا دو، میرج گارڈن کا راستہ" طاہر نے ناگواری سے کہا۔
"اوہو! بھئی ناصر آیا ہے ۔۔۔" شانی نے اُکتا کر کہا۔
"کیا دونوں ہیں ۔۔۔؟" طاہر نے پھر سوال کیا۔
"ارے نہیں بھئی! تم بھی ایک ہی ہو "شہ بالا" ناصر ہی کو تو کہتے ہیں ۔۔۔" خاور نے طاہر کی کمر پر دھپ لگاتے ہوئے کہا۔
"اچھا بُلا لاؤ ۔۔۔" طاہر نے خفّت سے کہا۔
تھوڑی ہی دیر بعد ناصر اُن کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔
"بھئی شہ بالے! یہ تو سُنا تھا کہ شہ بالا دولھا کا دوست ہوتا ہے مگر آج آپ کو یہاں کون سا دولھا

نظر آگیا کہ آپ تشریف لے آئے ۔ ۔ ۔" گڈو نے آنکھیں مٹکا مٹکا کر کہا۔
"سنا ہے، تم خودکشی کرنے والے ہو!" ناصر نے گڈو کی بات سُنی اَن سُنی کر کے طاہر سے پوچھا۔
"کیا خبر واہ، یہ سُنا تھا ۔ ۔" طاہر سے پہلے ثمینہ نے جواب دیا ۔ ناصر برہم ہو کر ثمینہ کو گھورنے لگا۔
"ہاں ۔ ۔ ۔!" طاہر نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔
"کیوں ۔ ۔ ۔؟" ناصر نے پھر جرح کی۔
"زندہ رہ کر بھی کیا کرنا ہے" طاہر نے اُداسی سے کہنا شروع کیا "یوں بھی پروفیسر کے، کے، آہ کے مطابق میرا تعلق جس ستارے سے ہے، اُس میں اکثر کی موت خودکشی سے واقع ہوتی ہے"
"پروفیسر کے، کے، آہ!" ناصر بُڑبڑایا ۔ دیگر ساتھیوں پر بھی پہلی بار خودکشی کا یہ راز منکشف ہوا۔
"ہاں! حال ہی میں انھوں نے گلی کے آخری کونے پر اپنا بورڈ آویزاں کیا ہے، لکھا ہے قسمت گھر، ستاروں کے اثرات اور اُن کے مطابق پُرسکون زندگی گزارنے کے لیے پہلی فرصت میں پروفیسر کے، کے، آہ سے ملیے" طاہر نے آستین کا بٹن باندھتے ہوئے کہا۔
"تو گویا تم اُن سے مل چکے ہو" تابندہ نے پہلی بار گفتگو میں حصّہ لیا۔
"ہاں! کل ہی اُن سے ملاقات کی تھی ۔ انھوں نے کہا تھا کہ پیر اور جمعرات کے دن گھر سے نہ نکلوں، کوئی بھی حادثہ پیش آسکتا ہے ۔ اتوار کا دن کوئی بُری خبر لائے گا ۔ منگل کاروباری معاملات کے لیے سودمند رہے گا۔ مگر پھنسی ہوئی رقم ملنا مشکل ہے ۔ جمعہ کو صحت کے گرنے کا خدشہ ہے اور ۔ ۔ ۔!"
"خدا کرے، تم پر یہ چھت گر جائے" احتشام نے غصّے سے کہا "احمق تم اُس پروفیسر آہ کی باتوں میں آگئے"
"ایسا مت کہو! علم نجوم پر اُن کو دسترس حاصل ہے" طاہر نے پروفیسر آہ کی حمایت کی۔
"علم نجوم کی تو تم بات نہ کرو ۔ ہاں پیسے بٹورنے میں اُن کو یقیناً دسترس حاصل ہوگی" حسنات نے فوراً کہا
"بہرحال! کل پروفیسر کے، کے، آہ نے کہا تھا کہ تمھارے ستارے میں کئی دوسرے ستاروں کی مداخلت بڑھتی جارہی ہے اور کسی بھی وقت کچھ بھی ہوسکتا ہے ۔ ۔ ۔"
"گویا تمھارا کوئی بھی لمحہ پُرسکون نہیں ۔ اتوار کو بُری خبر ملے گی ۔ پیر اور جمعرات کو حادثے کا ڈر ہے، جمعہ کو صحت گرے گی، لاحول ولا قوۃ ۔ ۔ ۔!" ارشاد نے غصّے سے کہا۔
"یہ پروفیسر صاحب کس وقت تشریف رکھتے ہیں؟" حسنات نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"شام چھ بجے سے رات نو بجے تک ۔ ۔ ۔!" طاہر نے وقت بتایا۔

"بھئی پروفیسر کے۔کے۔آہ نے وقت تو بہت غلط منتخب کیا ہے اُن کا ٹائم تو یہ ہونا چاہیئے، رات نو بجے سے صبح چھ بجے تک. ظاہر ہے، ستارے بھی تو اسی وقت نکلتے ہیں۔" وقار نے پروفیسر آہ کے وقت پر تنقید کی ...

"خیر!" حسنات نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "ابھی تو پروفیسر کے۔کے۔آہ کو ستارے دکھانے بھی تو ہیں۔"

"کیا مطلب ---؟" طاہر نے یکدم چونک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں، اچھا ہم چلتے ہیں ..." اور اس کے ساتھ ہی تمام کے تمام ایک دوسرے کے پیچھے قطار باندھے نکل آئے ۔

ایسے ہی ایک دن ارشاد نے بھی پروفیسر آہ کے کمرے میں جھانک لیا۔ اُسے بھی طاہر سے ملتی جلتی ہدایات دے دی گئیں ۔

"ہفتہ کو افسرانِ بالا کا تعاون حاصل رہے گا۔ اتوار کو اپنی صحت کا خیال رکھیے گا، پیر کے روز محتاط رہئے گا۔ منگل کا دن کوئی بُری خبر لا سکتا ہے وغیرہ وغیرہ ---!"

طاہر کی طرح ارشاد بھی پروفیسر کے۔کے۔آہ کی ہدایات پر عمل پیرا ہو گیا بلکہ اُس نے تمام ہدایات کا جائزہ بھی لیا۔ ہفتے کا دن اُس کے لیے خاصا خوشگوار ثابت ہوا۔ اسکول سے لے کر گھر تک سب سے ہی اُس کے تعلقات اچھے رہے، اتوار کو یوں ہی اُسے اپنی طبیعت بوجھل لگی تو جیسے تیسے دن گزر ہی گیا۔ پیر کا روز بھی اسی احتیاط میں گزرا۔ کبھی دروازے بند کر کے لیٹتا تو کبھی چلتے ہوئے پنکھے کو دیکھ کر سوچتا: "اگر یہ چلتے چلتے میرے اُوپر گر پڑے تو ---؟ تو میں اپنی شناخت سے بھی رہ جاؤں گا۔" بس فوراً صحن میں آکر کھڑا ہو گیا، مگر جونہی اُس کے سر پر سے جہاز گزرا وہ دوڑ کر غسل خانے میں جا چھپا کہ کہیں جہاز کا پَر ٹوٹ کر اُس کے سر پر نہ گر پڑے۔ غسلخانے کے بہتے نلکے کو دیکھ کر اُسے نئی بات سُوجھی کہ نکاسی کا راستہ اگر کسی طرح بند ہو گیا تو پانی غسل خانے میں جمع ہونے لگے گا۔ اور پھر اگر پورا غسل خانہ پانی سے بھر گیا تو --- ! موت یقینی ! وہاں سے فرار کے بعد باورچی خانے میں قیام کیا مگر زرد اور موٹی چھپکلی نے اُسے وہاں سے بھی بھاگنے پر مجبور کر دیا کہ یہ زہریلی چھپکلی افریقہ سے نہ آئی ہو! غرض رات بارہ بجے کے بعد اُس کی جان میں جان آئی۔

اگلے دن اُس نے کیلنڈر دیکھا وہ منگل کا دن تھا اور منگل کے متعلق یہ پیش گوئی کی گئی تھی کہ اس دن کوئی بھی بُری خبر آ سکتی ہے۔ بس ارشاد تمام دن گھر ہی میں رہا کہ جب باہر ہی نہیں نکلوں گا تو بُری خبر کہاں سُننے کو ملے گی ---

مگر پروفیسر کے، کے، آہ کی یہ پیش گوئی درست ثابت ہوئی
دن کے تقریباً دو بجے گڈّو اور وقار ارشاد کے گھر گئے۔ جہاں سے انھوں نے صادق کے گھر فون کیا۔ اُن لوگوں سے ان کے تعلقات پہلے ہی کشیدہ چل رہے تھے۔ لہٰذا اس فون نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد شائستہ اور بشریٰ، صادق کے ہمراہ ارشاد کے گھر پر تھیں۔ اُن کی آمد اتنی غیر متوقع اور اچانک تھی کہ تینوں ہی بوکھلا گئے اور لگے منہ چھپانے۔ گڈّو کے بھیر میں دل کا دورہ پڑا۔ ارشاد کے ٹخنے کو شدید ذہنی صدمہ پہنچا، کچھ یہی حال وقار کا بھی تھا۔ سب دم سادھے باہر کھڑے تینوں کی گفتگو سُن رہے تھے۔ ان میں سب سے بلند آواز شائستہ کی تھی اس کی تقریر کے اہم ترین نکات یہ تھے۔

"اسی روڈ پر تینوں کے ناک رگڑواؤں گی۔"

"ٹیلی فون کٹوادوں گی۔"

"اور پولیس کے حوالے کردوں گی۔"

تینوں باتیں معقول تھیں۔ ارشاد کا خیال تھا "اس سے ہمارا ہی بھلا ہوگا۔ میں اپنی لمبی ناک سے کئی دنوں سے عاجز آیا ہُوا تھا۔ جب بھی چائے پیتا تھا، ناک پیالی کے پیندے تک پہنچ جاتی تھی۔ کم ازکم معقول حد تک اس کو گھسوانے میں کیا مضائقہ تھا؟"

وقار کا کہنا تھا کہ ارشاد کے پاپا ٹیلی فون کے بڑھتے ہوئے بل سے خاصے پریشان تھے سو کوئی تو بہانہ چاہیئے تھا، اس معروف اور ماڈرن فقرے سے کسی طرح جان چھڑانے کا۔ سو یہ موقع تو بہت ہی شاندار تھا۔

جب کہ گڈّو جیل جانے پر مطمئن تھا۔ اس کا مؤقف کچھ اتنا غلط تو نہ تھا۔ دراصل پچھلے برس بھی وہ ایسے ہی کسی چکّر میں گواہی دینے گیا تھا کہ تھانے میں اپنی گھڑی بھول آیا۔ اس نے سوچا، بغیر جواز کے پولیس کے پاس جانا اچھّا نہیں، مگر اب تو خاصا معقول جواز بھی تھا سو اپنی بھُولی ہوئی گھڑی لانے کا یہ نادر موقع تھا۔

اس کے باوجود تینوں ساڑھے تین گھنٹے گھر سے رُوپوش رہے۔ ارشاد تو اس وقت کو کوس رہا تھا جب یہ دونوں گھر میں گھُسے تھے۔ وقار اور گڈّو کا تو جو حال ہُوا سو ہُوا۔ ارشاد بے چارہ اس لیے مارا گیا کہ ٹیلی فون اُسی کے گھر کا تھا اور پھر وقتاً فوقتاً اُسے غازی بھائی کے گمنام فون بھی ملتے رہے کہ ہم تمھارے والد صاحب سے بات کرنے آرہے ہیں۔ ان باتوں نے تو ارشاد کا آدھا خون، جو سفید ہونے کو تھا خشک کردیا۔

بہر حال یہ واقعہ گزر تو گیا مگر ارشاد کے لیے یہ دن بہت بھاری گُزرا۔

اگلے دن ارشاد، پروفیسر کے، کے، آہ کی ہدایت کے مطابق اپنے کام [illegible] جُت گیا اور یوں یہ ہفتہ گزر ہی گیا۔

اگلے ہفتے وہ پھر پروفیسر کے، کے، آہ کے کمرے میں بیٹھا تھا۔ طاہر کا نمبر اُس سے پہلے تھا۔ طاہر کو دیکھتے ہی پروفیسر آہ نے اپنا چشمہ اُتارا اور بولے "آؤ برخوردار! کیسے ہو---؟"

"بس وہی ہو رہا ہے، جو آپ کہہ رہے ہیں---" طاہر نے بے بسی سے کہا۔

"برخوردار! تمھارے حالات بہت بُرے جا رہے ہیں۔ مرّیخ اور پلوٹو پر زہرہ کا بھرپور اثر ہو گا... تمھیں---!"

"لیکن پروفیسر صاحب! زہرہ سے تو میری منگنی ہو چکی ہے---" طاہر نے پروفیسر آہ کا جُملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی کہا۔

"احمق---!" پروفیسر آہ نے غصّے سے کہا: "میں کسی لڑکی کی بات نہیں کر رہا۔ ستارے کی بات کر رہا ہوں۔ دراصل تم عقرب ستارے کے لوگ ہوتے ہی جلد باز اور جذباتی ہو۔" ج "تمھاری پوری حیات پر جہالت کا جالا بُن دیتا ہے۔ تم لوگ کبھی مخاطب کو خوش نہیں رکھ سکتے، ایسی بات کرتے ہو، جو مخاطب کو بچھّو کا ڈنک لگتی ہے، جبھی تمھارا نشان بھی بچھّو ہوتا ہے۔" پروفیسر آہ نے غصّے سے بقراط بنتے ہوئے کہا تو طاہر سہم گیا۔

"معذرت چاہتا ہوں، پروفیسر صاحب!" طاہر نے مسکینی سے کہا۔ پروفیسر کے، کے، آہ نے کوئی جواب نہ دیا...

"پروفیسر آہ صاحب! میرا یہ ہفتہ کیسا رہے گا---؟" طاہر نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"لو! اِس ہفتے کے بارے میں سنو---!" پروفیسر کے، کے، آہ نے چند لمبے زائچوں کی لکیریں کھینچنے کے بعد کہا: "گزشتہ دنوں جو ذہنی انتشار پیدا ہو گیا تھا، وہ ابھی رہے گا۔ مخالفین اور دوست نُما دشمنوں سے محتاط رہنا ہو گا۔ مکان کی تبدیلی خوشگوار مستقبل کی ضامن ہو سکتی ہے۔ اخراجات غیر معمولی رہیں گے۔ مخالف ستاروں سے تعلق رکھنے والے دوستوں کی طرف سے پریشانی ہو سکتی ہے۔ ہر قسم کی سودے بازی میں اعتماد و بھروسہ نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ اتوار کو محتاط رہیئے گا۔ جمعرات اور جمعہ والدین کی طرف سے پریشانی ہو سکتی ہے۔"

طاہر نے تمام باتوں کو نوٹ کیا۔ اور "ہدیہ" دے کر رخصت ہوا۔ ارشاد بھی کچھ اسی طرح کی صورتِ حال سے دوچار ہُوا۔

شام کو حسنات نے اپنے گھر میں ایک ہنگامی اجلاس طلب کر لیا۔ کاشف، احتشام، تابندہ، گڈّو، وقار نائلہ، فرح اور کئی لڑکے اس اجلاس میں شرکت کے لیے کئی ضروری کام چھوڑ کر آئے۔ اس اجلاس میں طاہر اور ارشاد کو مدعو نہیں کیا گیا بلکہ وہ تو اس کی تمام کارروائی سے بھی لاعلم رہے۔ - آخری حصّہ آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے

دو کُتّے

پروفیسر عنایت علی خاں

ایک تھا پِلّو! کالا کتّا — ایک تھا پِلّو! گورا کتّا
جس دَم دونوں سامنے آئے — دانت نکالے اور غرّائے
کالا بولا "گورے پِلّو..!" — گورا بولا "کالے ٹلّو..!"
کالا بولا "ٹھہر تو بچّہ — میں تجھ کو کھا جاؤں کچّا
کالے نے جب یُوں للکارا — گورے نے اِک پنجہ مارا
کالے نے گورے کو جھنجھوڑا — گورے نے کالے کو بھنبھوڑا
اِس نے اُس کا حلق دبایا — اُس نے اِس کا کان چبایا
اِس نے اُس کا خُون گرایا — اُس نے اِس کا خُون بہایا
رنگ تھا اُن کا کالا گورا — خُون تو لیکن لال تھا اُن کا
کالے نے بھی خُون کو دیکھا — گورے نے بھی خُون کو دیکھا
تب یہ بات سمجھ میں آئی — آپس میں ہیں دونوں بھائی
دونوں ہی جی میں شرمائے — لڑنے بھڑنے پر پچھتائے
کالا بولا گورے بھیّا — شیطاں کی مَر جائے میّا
اُس نے ہم کو خُوب لڑایا — آپس میں دونوں کو بھڑایا
یعنی اُلّو خوب بنایا! — شیطانی کا کھیل دکھایا!
گورا بولا "کالے بھائی" — ہرگز اب ہوگی نہ لڑائی
کالا گورا کیا ہوتا ہے! — شیطاں یہ نفرت بوتا ہے
ہنستا ہوگا ہی ہی ہی ہی — کرتا ہوگا کھی کھی کھی کھی
اب ہم تم مِل جُل کے رہیں گے — شیطاں کو ناکام کریں گے
یہ کُتّوں کی بات ہے بچّو! — اب تم اپنے دِل میں سوچو!
فضلِ خُدا سے انساں ہو تم — انساں اور مسلمان ہو تم!
باہم جو بچّے لڑتے ہیں — اُن سے تو کُتّے اچھے ہیں

پیاری پیاری تتلیاں

عطا محمد تبسم

"ہائے... ابو... مدیحہ نے آج پھر تتلی پکڑ کر کتاب میں بند کرلی. بے چاری تتلی تو مَر گئی ہوگی۔" ملیحہ نے اسکول سے آتے ہی پھولی ہوئی سانس کے ساتھ ساری بات کہہ دی۔

"ابو میرے پاس تین تتلیاں جمع ہوگئی ہیں. اتنی پیاری تتلی پکڑی ہے میں نے۔ میں اُسے مرنے نہیں دوں گی. اُسے بوتل میں بند کر دوں گی۔" مدیحہ نے اپنا کارنامہ سُناتے ہوئے ملیحہ کی بات کاٹ دی۔

"ارے آپ لوگ تو آتے ہی لڑنے لگے... بیٹا پہلے منہ ہاتھ دھو لو۔ کھانے کے دوران آپ کی بات بھی سُن لیں گے۔" ابو نے جھگڑا نمٹاتے ہوئے کہا۔

کھانے کے بعد... مدیحہ اپنی کاپی لے کر آئی تو اس میں رکھی تتلی چپک کر رہ گئی تھی۔ خوشنما رنگوں سے مزین تتلی نہ جانے کب کی زندگی سے محروم ہو چکی تھی۔ "ابو یہ تو مر گئی۔" مدیحہ نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹا... آپ نے اسے کتاب میں تو بند کر دیا۔ ننھی سی جان... مرتی نہ تو کیا کرتی بے چاری..." ابو نے کہا۔

"تتلی کیسے پکڑتے ہیں؟... ابو میں تتلیاں پالوں گی۔" مدیحہ نے کہا۔

"بیٹا... تتلی تو ایک چھوٹا سا کیڑا ہے۔ یہ کوئی پرندہ تھوڑا ہی ہے جسے آپ پالیں گی۔ پھر زندہ تتلیاں پکڑنے کے لیے جال استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ خاص قسم کے جال لمبی لمبی ڈنڈیوں میں لگے ہوتے ہیں۔ رنگ برنگی تتلیاں اتنی خوبصورت ہوتی ہیں کہ ہر شخص انہیں پسند کرتا ہے۔ اور بچے تو تتلیوں کے خوشنما رنگوں میں اس قدر کھو جاتے ہیں کہ انہیں پکڑتے پکڑتے باغ میں بہت دُور نکل جاتے ہیں۔" ابو نے تفصیل سے جواب دیا۔

"پیارے ابو... آج آپ ہمیں تتلی کی کہانی سنا دیں نا۔" ملیحہ اور مدیحہ نے اصرار کیا۔ "اچھا تو بچو... ہم آپ کو تتلی کے بارے میں بتاتے ہیں۔ لو بھئی... صبا تم بھی آجاؤ۔"

"بچو! تتلیاں دراصل کیڑے مکوڑوں کی ایک قسم ہے۔ تمام کیڑے مکوڑوں میں رنگ برنگی تتلیاں ہر کوئی

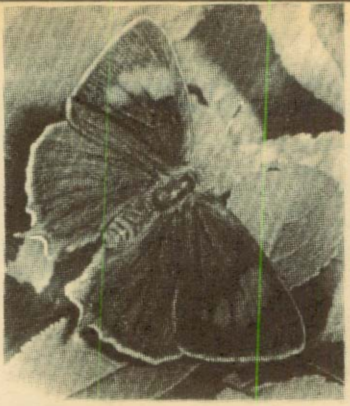 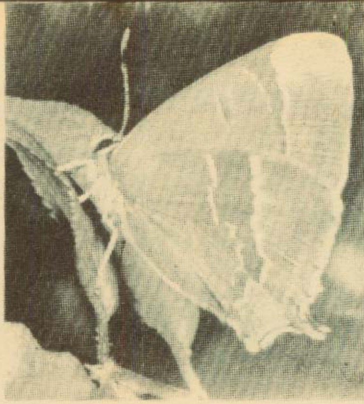

پسند کرتا ہے۔ تتلیاں صدیوں سے انسانی توجہ کا مرکز ہیں۔ تتلیاں اور پتنگے پھولوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔ یہ پھولوں سے رس چوستی ہیں۔ دنیا میں تقریباً ایک لاکھ سے زائد اقسام کی تتلیاں اور پتنگے پائے جاتے ہیں۔ زندہ تتلیاں پکڑنا اور ان کا مشاہدہ کرنا ایک دلچسپ مشغلہ ہے لیکن تتلیوں کا مشاہدہ کرنا انھیں پکڑنے سے زیادہ مہارت طلب کام ہے۔

تتلیوں کے خوبصورت اور پیارے پیارے رنگوں کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کیسے بنتے ہیں اور نہ اس بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ تتلیاں اپنے پروں پر خوبصورت نقش ونگار کیسے بناتی ہیں۔ ماہرینِ حشرات الارض بتاتے ہیں کہ تتلیاں بیشتر رنگ اور نقش ونگار اپنے ماحول، آس پاس کے پھول، پودوں اور پتوں سے اخذ کرتی ہیں۔ تتلیوں میں نر اور مادہ کا فرق بھی رنگوں سے ہو جاتا ہے۔ تتلیاں ان رنگوں سے حرارت حاصل کرنے کا کام بھی کرتی ہیں۔ تتلیوں کے پروں کے گہرے رنگ سورج کی شعاعوں کو جذب کرکے تتلیوں کو چُست اور تیز وطرّار بنا دیتے ہیں۔ تتلیاں عموماً سورج چڑھنے کے ساتھ ساتھ نقل وحرکت کرتی ہیں۔ جب فضا میں روشنی گرمی آجاتی ہے تو تتلیاں سیر کو نکلتی ہیں۔ تتلیاں دن کے وقت یا سورج کی روشنی میں خاص کر تیز وطرّار ہو جاتی ہیں۔ جب یہ آرام کرتی ہیں تو اپنے پَر اُوپر کی جانب کرلیتی ہیں۔ تتلیاں دوسرے پرندوں کی طرح اپنے علاقوں سے ہجرت بھی کرتی ہیں۔ عام طور پر آہستہ آہستہ اُڑنے والی تتلیوں کی بعض اقسام ایک ملک سے دوسرے ملک یا ایک علاقے سے دوسرے علاقے کا بھی سفر کرتی ہیں اور بعض اقسام کی تتلیاں تو کئی سو کلو میٹر کا فاصلہ بغیر رُکے تیز رفتاری سے طے کرلیتی ہیں۔"

"ابّو تتلی بچے دیتی ہیں نا کل میں نے چھوٹی سی تتلی کا بچہ دیکھا تھا۔" مدیحہ نے اپنی معلومات کا خزانہ بکھیرا...

"نہیں بیٹے... تتلیاں بچے نہیں دیتیں۔ تتلی کی پیدائش اور زندگی کے چار مرحلے ہوتے ہیں۔

تتلیاں انڈے دیتی ہیں اور یہ انڈے تتلی عموماً پتوں کی آڑ میں ایسی جگہ رکھ دیتی ہے۔ جہاں قریب ہی اس کی خوراک کا انتظام ہو۔ تتلی کی زندگی کے چار مراحل ہوتے ہیں۔

یعنی۔ انڈا، لاروا، پیوپا، اور تتلی۔

تتلی کے انڈے سے ایک سُنڈی نُما کیڑا نکلتا ہے جسے لاروا کہتے ہیں۔ یہ لاروا بڑا پیٹو ہوتا ہے۔ اور بہت زیادہ کھاتا رہتا ہے۔ اور مسلسل بڑھتا رہتا ہے۔ پھر یہ لاروا اپنے اردگرد ایک خول بُن لیتا ہے اور پھر خول میں بند ہو جاتا ہے۔ اور پھر کچھ نہیں کھاتا۔ اور پیوپا میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ چند دنوں کے بعد لاروا اپنی شکل تبدیل کرنا شروع کرتا ہے اور اس کا جسم تتلی کی شکل اختیار کرنا شروع کرتا ہے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد پیوپا تتلی کی شکل میں باہر نکلتا ہے اور آزاد فضا میں اُڑنے لگتا ہے۔"

"ابو تتلی کا رنگ بہت کچا ہوتا ہے۔ میں نے پکڑا تو میری انگلیوں پر رنگ لگ گیا۔۔" مدیحہ نے پھر اپنا تجربہ بیان کیا۔

"ہاں بیٹا... جب آپ لوگ تتلی پکڑتے ہیں تو انگلیوں پر رنگ کا بُرادہ سا لگ جاتا ہے اور اس کے پَر جھڑ جاتے ہیں جس سے تتلی اُڑ نہیں سکتی... اس لیے تتلی کو احتیاط سے جال کے ذریعے ہی پکڑنا چاہیے۔"

"ابو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم تتلیاں خرید کر اپنے باغ میں پال لیں۔" ملیحہ نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں بیٹے... اکثر لوگوں کو یہ خیال آتا ہے لیکن تتلیاں ایک جگہ جَم کر نہیں رہتیں۔ یہ تو پھولوں اور رنگوں کی شیدائی ہیں۔ جہاں خوبصورت اور رنگ برنگے پھول دکھائی دیے یہ اُسی باغ میں نکل جاتی ہیں۔ تتلیوں کو اپنے باغ میں رکھنے کی ایک ہی صورت ہے۔ وہ یہ کہ آپ اپنے باغ میں پیارے پیارے رنگ برنگے پھول لگائیں۔ اور پھر پھولوں کے ساتھ ساتھ تتلیوں سے بھی لُطف اندوز ہوں۔"

"ابو کیا تتلیاں کاٹتی ہیں؟"

"نہیں بیٹا... تتلیاں نہیں کاٹتیں۔ اور نہ ہی کوئی نقصان پہنچاتی ہیں۔ دنیا میں تتلیوں کی چند ہی ایسی اقسام ہیں جو پودوں اور فصلوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ ورنہ عام تتلی تو ایک بے ضرر کیڑا ہے۔"

ابو... تتلی... ابو تتلی..." ملیحہ مدیحہ... کمرے میں کھڑکی سے آجانے والی تتلی کو دیکھ کر اس کے پیچھے دوڑنے لگیں۔

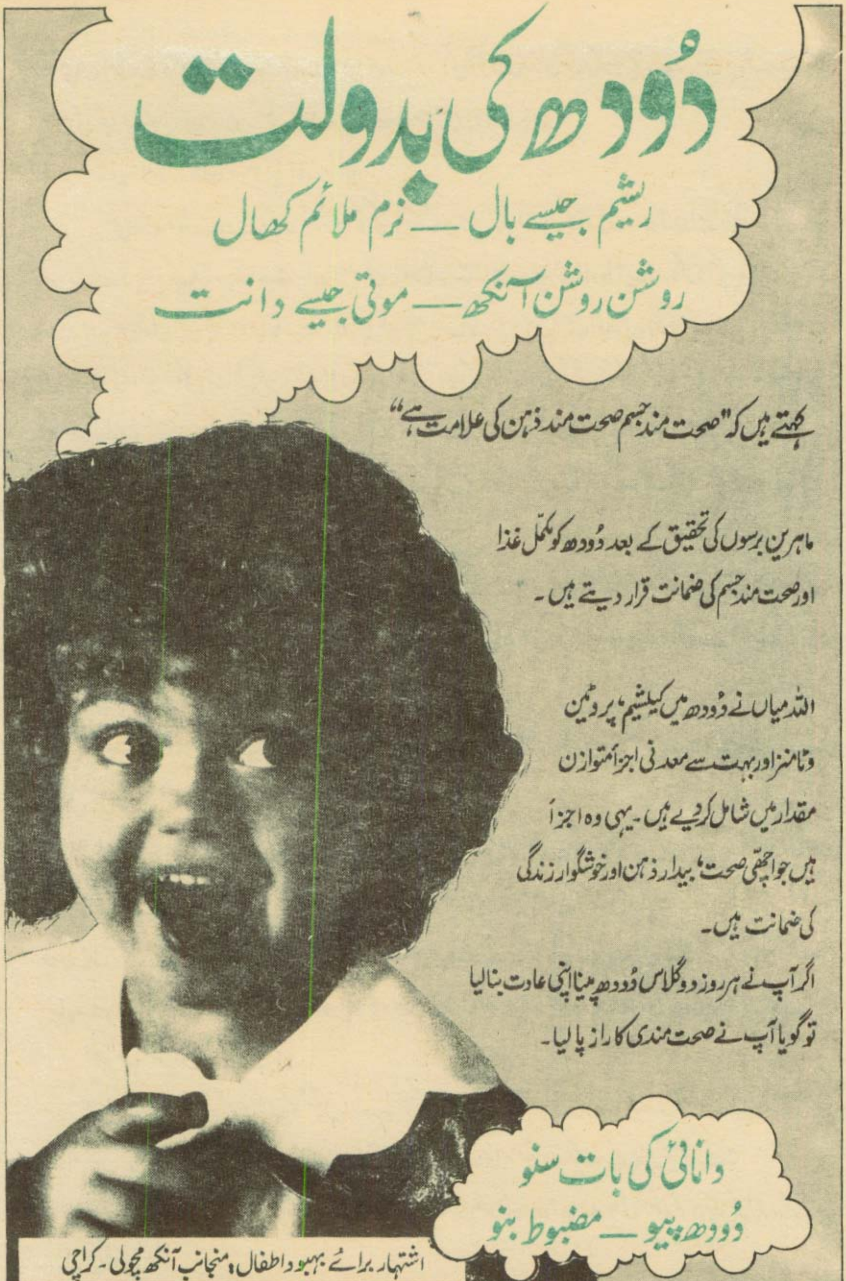
دودھ کی بدولت
ریشم جیسے بال — نرم ملائم کھال
روشن روشن آنکھ — موتی جیسے دانت
کہتے ہیں کہ "صحت مند جسم صحت مند ذہن کی علامت ہے"
ماہرین برسوں کی تحقیق کے بعد دودھ کو مکمل غذا اور صحت مند جسم کی ضمانت قرار دیتے ہیں۔
اللہ میاں نے دودھ میں کیلشیم، پروٹین وٹامنز اور بہت سے معدنی اجزا متوازن مقدار میں شامل کردیے ہیں۔ یہی وہ اجزا ہیں جو اچھی صحت، بیدار ذہن اور خوشگوار زندگی کی ضمانت ہیں۔
اگر آپ نے ہر روز دو گلاس دودھ پینا اپنی عادت بنالیا تو گویا آپ نے صحت مندی کا راز پالیا۔
دانائی کی بات سنو
دودھ پیو — مضبوط بنو
اشتہار برائے بہبود اطفال، منجانب آنکھ مچولی۔ کراچی

کھٹے میٹھے

(انعامی لطیفہ)

پاکستان کے ایک نامور فلم ایکٹر نے جب ایک پرستار کا خط پڑھا تو اُسے بہت خوشی ہوئی، کیونکہ خط میں اُسے پاکستان کا ہی نہیں۔ دنیا کا عظیم ترین اداکار قرار دیا گیا تھا۔ ابھی فنکار اپنی بے پناہ تعریفوں کے سحر میں ڈوبا ہوا ہی تھا کہ خط کے آخری دو جملے پڑھ کر اُسے بڑی بیزاری اور مایوسی ہوئی۔ لکھا تھا۔
"میں خط کو مُلے سے لکھنے کے لیے معذرت چاہتا ہوں، کیونکہ ہم لوگوں کو یہاں پاگل خانے میں کوئی نوکیلی چیز پاس رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔"

اشتیاق احمد ، ملتان

ایک تھانیدار نے حوالات میں بند قیدیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ماتحتوں سے کہا
"میں دورے پر جا رہا ہوں۔ تم ان لوگوں پر نظر رکھنا اور جو قیدی بدمعاشی کرے اُسے دو ٹھوکریں مار کر نکال باہر کرنا۔"

شمیم ناز عرف (بے بی) فقیر کالونی، کراچی

ایک تقریب میں ایک موٹی عورت کے ساتھ پتلا کالا سیاہ آدمی بیٹھا تھا۔ عورت نے جماہی لی تو وہ شخص بولا
"بہن جی کہیں مجھے نگل نہ جانا"
"بے فکر رہیے میرے مذہب میں کوّے حرام ہیں" عورت نے جواب دیا۔

عطاء المحسن طاہر، پنڈ دادن خان

ایک پولیس افسر جب رات گئے گھر آیا تو اُس نے دیکھا کہ اُس کی بیوی اُس کی جیب سے سو سو کے نوٹ نکال رہی ہے۔ اُس نے گرج کر کہا۔
"خبردار! میں اس وقت تمہارا شوہر نہیں ایک پولیس افسر ہوں۔ اور تم رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو"

بیوی نے رازداری سے کہا "یہ لیجیے سو کا نوٹ اور معاملہ یہیں ختم کر دیں۔"

جمال عبدالناصر، پنڈدادن خان

ایک اجنبی ایک عورت کے پیچھے کپڑے کی دکان میں داخل ہوا۔ یکایک عورت نے ایک چیخ ماری اور وہ اجنبی اسی لمحے دکان سے باہر بھاگا۔ پولیس نے اُسے پکڑ لیا، تلاشی لینے پر معلوم ہوا کہ وہ مسلح تھا۔

دکاندار نے عورت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا "محترمہ! اگر آپ نہ چیختیں تو میں لُٹ گیا تھا۔ مگر آپ اُسے پہچان کیسے گئیں کہ وہ ڈاکو تھا؟"

عورت نے معصومیت سے جواب دیا "میں تو اُسے جانتی بھی نہ تھی۔ میں تو ساڑھی کی قیمت پڑھ کر چیخی تھی۔"

فیصل احمد عباسی، جھنگ صدر

اُستاد (طالب علم سے) "لگتا ہے تم شرافت کی زبان نہیں سمجھتے ہو؟"

طالب علم "جی ماسٹر صاحب! وہ بولتا ہی اٹک اٹک کر ہے۔"

محمد اکرم برکھوال، کراچی

ایک خاتون کو اُن کے شوہر نے ایک پُرانی فوکس ویگن خرید کر دی۔ اِس گاڑی کا انجن پیچھے ہوتا ہے خاتون اُسی وقت گاڑی میں بیٹھ کر اپنی سہیلی سے ملنے چل دیں راستے میں گاڑی خراب ہوگئی۔ خاتون نے اُس کا اگلا حصہ کھول کر دیکھا تو وہ بدحواسی کے عالم میں پیدل ہی سہیلی کے گھر پہنچیں اور بولیں۔

"راستے میں میری گاڑی کا انجن کہیں گر گیا ہے۔ میرے خاوند کو پتا چلے گا تو وہ غصے سے پاگل ہو جائے گا۔" سہیلی کے پاس بھی اتفاق سے فوکس ویگن ہی تھی۔

اُس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"تم فکر نہ کرو، میری فوکس ویگن کی ڈگی میں ایک فالتو انجن پڑا ہے وہ تم لے لو۔"

خلیل اللہ خان، منگورہ سوات

پریس میں اُردو کا پرچہ چھپنے کے لیے گیا۔ اُس میں ایک سوال تھا "ماضی شکیہ کو بنانے کا طریقہ بیان کریں۔ جب پرچہ چھپ کر آیا تو اُس کی عبارت کچھ یوں تھی۔

"ماسی شکیلہ کو منانے کا طریقہ بیان کریں۔"

محمد یونس، راولپنڈی

ایک بچے نے اپنے والد سے پوچھا "کیا یہ صحیح ہے کہ بچوں کے مقابلے میں والدین کا علم زیادہ ہوتا ہے؟"

"بالکل۔" باپ نے جواب دیا

"اچھا یہ بتائیے کہ انجن کس نے ایجاد کیا تھا؟" بچے نے پوچھا۔

"جیمس واٹ نے" باپ نے جواب دیا۔
" اگر والدین بچوں سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں تو انجن جیمس واٹ کے والدین نے کیوں ایجاد نہیں کیا ؟"
بچے نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے پوچھا۔
شاہد علی ، کراچی

ایک بچہ: "امی میں نے باغ میں ایک خرگوش دیکھا ہے"
ماں (بچے سے) "تمہیں وہم ہوا ہوگا"
بچہ: "تو کیا امی وہم کے دو لمبے کان اور چھوٹی سی دُم بھی ہوتی ہے۔؟"
ماخوذ۔ حماقتیں از شفیق الرحمان
جمشید فاروقی، مظفر گڑھ

ایک مکھی نے ایک گنجے آدمی کے سر پر سیر کرتے ہوئے اپنی بیٹی سے کہا۔
"بیٹی جب میں تمہاری عمر کی تھی تو اس میدان میں گھاس بھی اُگتی تھی"
محمد لیسین شاہد ، بصیر پور

ایک دفعہ مشہور سائنسدان "آئن اسٹائن" کو بس میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے اپنے ہینڈ بیگ سے کچھ ضروری کاغذات نکال کر پڑھنے چاہے تو خیال آیا کہ اپنا چشمہ تو گھر بھول آئے ہیں۔ مجبوراً سامنے بیٹھے ہوئے شخص سے کہا۔
"از راہِ کرم! ذرا یہ کاغذات پڑھ کر سُنا دیجیے"
اس شخص نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"معاف کیجیے گا... میں بھی آپ کی طرح جاہل ہوں"
حامد علی شاہد، لاوہ چکوال

خالد اور عابد چڑیا گھر کے قریب سے گزرے تو عابد نے خالد کی پسلی میں کہنی مارتے ہوئے پوچھا۔
"عابد، کیا چڑیا گھر یہی ہے ؟"
"جی نہیں، یہ تو میری پسلی ہے" خالد نے جواب دیا۔
کامران ظفر بھٹی

جیلر (ایک قیدی سے) "تمہارے رشتہ داروں نے تمہیں کبھی کوئی خط نہیں لکھا۔؟"
قیدی: "اس کی ضرورت نہیں جناب!"
جیلر: "کیوں؟"
قیدی: "آپ کی دُعا سے سب یہیں موجود ہیں"
محمد زبیر رحمانی، جہلم

دوکاندار (گاہک سے) "جناب! آپ کا بیٹا ہمیشہ میری دکان سے کچھ لڈو چُرا کر لے جاتا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟"
گاہک: "جی میرا بیٹا پاگل ہے!"

دکان دار: "تو پھر یہ لڈو لے کر بھاگ جانے کے بجائے، مجھے لڈوؤں سے بھرا ٹوکرا لا کر کیوں نہیں دیتا؟"
گاہک: "جی! ابھی وہ اتنا پاگل نہیں ہے!"

سیّد یوسف نصر اللہ، کراچی

ایک بہت ہی موٹا شخص اپنے دوست کے ہاں سو رہا تھا کہ اچانک زلزلہ آ گیا اور موٹا شخص پلنگ سے نیچے گر گیا۔ اُسی وقت موٹے کے دوست کی آنکھ بھی کھل گئی۔ اُس نے اپنے دوست کو زمین پر گرا دیکھا تو پوچھا۔
"تم زلزلے سے گرے ہو یا تمہارے گرنے سے زلزلہ آیا ہے؟"

ساجد کمالوی - کمالیہ

الیکشن میں ہارنے والے ایک امید وار نے اپنے ایک دوست کو اپنے ہارنے کی وجہ بتاتے ہوئے بتایا "معلوم ہے میرے ہارنے کی بنیادی وجہ میری جوانی ہے؟"
دوست: "مگر تمہاری جوانی تو گزر چکی ہے!"
امیدوار: "ٹھیک ہے، مگر ووٹروں کو علم ہو گیا تھا کہ وہ کیسے گزری ہے؟"

آصف اقبال باجوہ، پسرور

• ڈرائیور (راہ گیر سے) "تم تو کہتے تھے یہاں ٹخنے ٹخنے پانی ہے میری تو یہاں کار ڈوب چلی ہے۔"
راہ گیر: "جناب میں تو یہاں پہلی دفعہ آیا ہوں، ویسے ابھی ابھی یہاں سے بطخیں گزری تھیں۔ ان کے ٹخنے ٹخنے ہی پانی تھا۔"

محمّد ریاض رضوی، جہلم

بوڑھا آدمی (ڈاکٹر سے) "جناب میں رات بھر سردی سے کانپتا رہا ہوں کوئی دوا دیجیے۔"
ڈاکٹر: "کیا رات کو آپ کے دانت بھی بج رہے تھے...؟"
بوڑھا آدمی "جی معلوم نہیں کیونکہ وہ میز پر رکھے تھے۔"

محمد شریف احمد واں بھچراں

عادی گداگر نے ایک مالدار عورت سے التجا کی، "مجھ پر ترس کھائیے، سیلاب میں میرا گھر، میرے گھر والے سب کچھ بہہ گیا۔"
عورت بولی "کیا کہا؟ تم تو وہی آدمی معلوم ہوتے ہو جس کا گھر پچھلی بار فسادات میں تباہ ہو گیا تھا اور جو ایک بار ریل کے حادثے میں بھی زخمی ہوا تھا۔"
"آپ ٹھیک کہتی ہیں محترمہ! میں دنیا کا سب سے بد قسمت آدمی ہوں۔" گداگر نے جواب دیا۔

صائمہ مہدی، ناظم آباد کراچی

پرندے

شبّیر بیگ نازؔ

ہوا کے دوش پہ اُڑتے پرندے
جدھر کو چاہتے مُڑتے پرندے
خوشی سے چہچہاتے جا رہے ہیں
مزے سے گنگناتے جا رہے ہیں

کبھی ڈولیں ہَوا کا گیت بَن کر
کبھی ساون بھَرا سنگیت بَن کر
گھنے پیڑوں پہ ہے ان کا بسیرا
نہ جھگڑا ان میں یہ تیرا وہ میرا

ہُوا میں کون ہے ان کو سنبھالے ؟
دیئے پَر کس نے ان کو اُڑنے والے ؟
بنایا کائنات کُل کو جس نے
یہ ہیں اُس ذاتِ عالی کے کرشمے

کھُلے بندوں فضا میں اُڑتا پھرتا
جو میں بھی نازؔ ہوتا اِک پرندہ

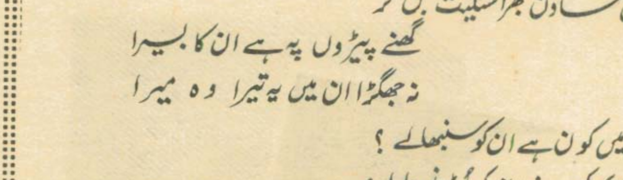

شرارتی بندر

قمر علی عباسی

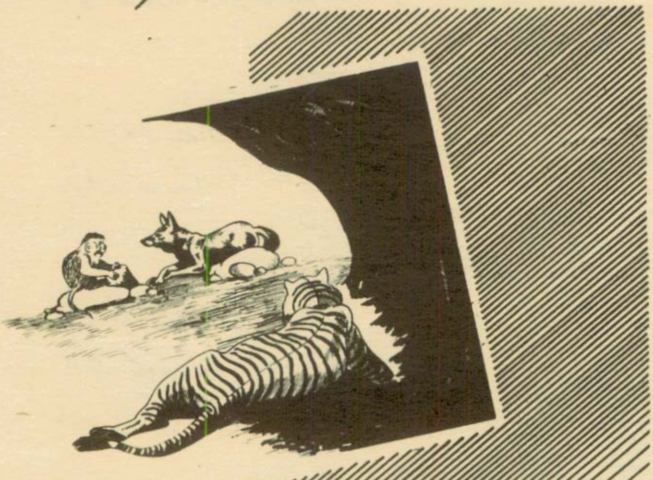

ایک شرارتی بندر کا دلچسپ احوال

ایک تھا بندر ۔ نٹ کھٹ شرارتی ۔ نہ ماں کی بات سُنتا نہ باپ کا کہنا مانتا ۔ لاکھ سمجھاؤ مگر سمجھ کر ہی نہ دیتا ۔ ایک کان سے سنتا' دوسرے سے اُڑا دیتا ۔ سارا دن ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگیں لگاتا ننھے منّے جانوروں کو چھیڑتا ۔ بڑے جانور سے مذاق کرتا ۔ رات کو دیر سے گھر لوٹتا ۔ ماں سمجھاتی ۔ اچھے بُرے کی تمیز کراتی لیکن یہ کب کسی کی سنتے ۔ ماں باپ نے پیار سے چنّو نام کیا رکھا' وہ چنّوں ہی بن گئے جنگل کا ہر جانور انھیں اسی نام سے پکارتا ۔ تھے وہ خوب موٹے سے بھورے رنگ کے ' جو دیکھتا خوش ہوتا' لیکن ان کی شرارتوں سے تنگ آجاتا ۔

جنگل میں ایک بندروں کا اسکول تھا جس میں بچّوں کو پڑھایا جاتا تھا ۔ ایک بوڑھا بندر موٹی سی شاخ سے اُلٹا لٹک کر مُنّے مُنّے بندروں کو سبق دیا کرتا تھا ۔ دشمن سے بچنے کی ترکیبیں ۔ اپنی حفاظت' چھلانگ لگانے کی تربیت اور جنگلی جڑی بوٹیوں کا استعمال ۔ صبح مائیں اپنے بچّوں کو بنا سنوار کر گلے میں بستہ ڈال' اسکول بھیج دیا کرتیں ۔ جہاں وہ عقل مندی کی باتیں سیکھا کرتے ۔

چنّو میاں کو بھی ماں روز اسکول بھیجتی مگر وہ اپنا بستہ کسی شاخ میں لٹکا کر سیر کو نکل جاتے ان کے دو تین دوست بھی تھے وہ بھی انھی کی طرح شرارتی اور نٹ کھٹ تھے ۔ یہ سب مل کر سیر کو نکل جاتے ۔ جنگل کے ایک طرف لوکاٹ کے گچھے لٹکتے تھے ۔ چنّو میاں کو کھٹے میٹھے لوکاٹ بہت پسند تھے ۔ وہ اپنے دوستوں کو لے کر یہاں آجاتے اور چھانٹ چھانٹ کر میٹھے میٹھے لوکاٹ منہ میں ڈال کر چوستے ' دوپہر کو وہاں سے آتے ہوئے ایک چشمے سے ٹھنڈا پانی پیتے اور گھر واپس آجاتے ۔ ماں انھیں سُرخ گاجریں اور ہری سلاد کھانے کو دیتی پھر انھیں سونے کی ہدایت کر کے اپنے کمرے میں جاتی تو یہ چھلانگ لگا کر بھاگ جاتے ۔ ساری دوپہر جانوروں کو تنگ کرنا ۔ سوئی ہوئی لومڑی کو اُٹھا کر پوچھنا "خالہ سو رہی ہو کیا ؟ اور جب وہ ہڑ بڑا کر اُٹھتی اور بتاتی کہ وہ سو رہی ہے تو اسے کہنا " اچھا سو جاؤ " پھر رات کو دیر سے گھر آنا ۔ ماں بیچاری پریشان رہتی ۔ پیار سے سمجھاتی ' غصّے سے ڈراتی ۔ مگر میاں چنّو کسی بات پر توجہ نہ دیتے ۔ وہ صرف ایک بات جانتے تھے' آزادی ۔ ہر قیمت پر آزادی ۔ وہ اپنے دوستوں سے کہتے بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کی مرضی سے دن گزاریں ۔ ہم آزاد ہیں ۔ جہاں جی چاہے گا' گھومیں گے ۔ جو جی چاہے گا کھائیں گے ۔ اپنی مرضی سے سوئیں گے ۔ اپنی خوشی سے اُٹھیں گے ۔ ساتھی ہاں میں ہاں ملاتے اور چنّو میاں ہیرو بن جاتے ۔

ماں کو معلوم ہوا' چُنّو اسکول نہیں جاتے وہ سوائے افسوس کے اور کچھ نہ کر سکی باپ نے ذرا سختی کی مگر چنّو میاں اس قدر بگڑ چکے تھے کہ اب ان کی اصلاح ہونے کی کوئی راہ نہ تھی ۔ تھک کر باپ نے انھیں چھوڑ دیا ۔ اب

تو وہ باقاعدہ شرارتی بندروں کے اُستاد بن گئے۔

جنگل کے برابر سے ایک سڑک گزرتی تھی جس پر لوگ چل کر شہر جاتے تھے۔ جہاں وہ گھی۔ گڑ اور پھل بیچا کرتے تھے۔ چنو میاں اور ان کے ساتھیوں کا حوصلہ اتنا بڑھا کہ وہ اس سڑک تک جانے لگے اور اِکّا دُکّا مسافر کو ڈرا کر گُڑ، گھی، مٹھائی یا پھل چھین لیتے تھے۔ ماں کو پتہ چلا تو اس نے سر پیٹ لیا ہائے ہائے کسی دن کوئی آدمی پکڑ کر نہ لے جائے۔ چنو میاں نے سُنا، ہنس کر ٹال دیا۔ ان کا خیال تھا، کسی دن وہ کسی آدمی کو پکڑ لائیں گے۔

کھلی فضاء، آزادی، بے فکری، مزے مزے کے پھل مٹھائیاں، دودھ، گھی، ان سب نے چنّو میاں کو موٹا کر دیا۔ اب وہ پہلے جیسے چُست نہ رہے بلکہ کبھی کبھی انھیں احساس ہوتا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے مقابلے میں نہ تیزی سے چھلانگ لگا سکتے ہیں، نہ زمین پر بھاگ سکتے ہیں بلکہ ایک دن تو خالہ لومڑی نے ٹوکا بھی مگر چنو میاں نے اُسے ڈانٹ دیا۔

"کھاتے پیتے ہیں، اس لیے تندرست ہیں تم جلتی کیوں ہو۔۔۔؟" لومڑی اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ واقعی اُسے چنّو میاں کے موٹے ہونے سے کیا نقصان؟ ماں چنّو میاں کو دیکھ کر خوش ہوتی کیسا گول مٹول بچّہ ہے۔

چنّو میاں کو دیکھ کر جنگل کے بہت سے بندر بگڑ گئے۔ اسکول کے کئی بچّے بھاگ کر اُن کے ساتھ شامل ہو گئے۔ بندروں کے ماں باپ نے چنو میاں کے ابّا سے شکایت کی، لیکن وہ کیا کر سکتا تھا۔ اُسے خود افسوس تھا۔

چنّو میاں کا نعرہ "آزاد رہو" مُنّے مُنّے بندروں میں بہت مقبول ہو رہا تھا۔ بلکہ دوسرے ننّھے مُنّے جانور بھی اُن کے ساتھ آملے تھے۔ چنو میاں کو سیر سپاٹے کا بہت شوق تھا۔ اس لیے دوسرے بندر اور جانور بھی جنگل کے ایک طرف سے دوسری طرف چھلانگیں مارتے دکھائی دیتے۔ اسی جنگل میں ایک گیدڑ رہتا تھا۔ تھا وہ بوڑھا مگر چُست و چالاک تھا۔ سارا زمانہ دیکھے ہوئے تھا اس لیے جنگل کے سارے جانوروں سے میل ملاپ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ بوڑھا شیر بھی اس کا دوست تھا۔ گیدڑ کا اصول تھا۔ وہ شیر سے اُس وقت ملتا جب اُسے یقین ہوتا کہ شیر کا پیٹ بھرا ہُوا ہے۔

چنو میاں کو نہ اس بوڑھے گیدڑ کی چال پسند تھی نہ رنگ اچھا لگتا تھا۔ وہ کوشش کرتے کہ کسی نہ کسی بہانے بوڑھے گیدڑ کو چھیڑا جائے۔ اس پر آوازیں کسی جائیں۔ اُسے تنگ کیا جائے۔ اس لیے جب وہ گیدڑ کے بھٹ کی طرف سے گزرتے ایک پتھر اس میں پھینک دیتے۔ اور جب اندر سے چیخنے کی آوازیں آتیں، یہ خوش

ہو جاتے۔ گیدڑ سوچتا رہتا کسی طرح وہ چنّو میاں کو سزا دے۔

انہی دنوں کرنا خدا کا کیا ہوا کہ بوڑھا شیر بیمار پڑ گیا۔ اس کی آنکھیں پیلی پڑ گئیں اور سورج غروب ہونے کے بعد آنکھوں سے کم دکھائی دینے لگا۔ شیر بہت گھبرایا کہ یہ کیا ہو گیا۔ اس نے سب سے مشورہ کیا۔ نہ تو بوڑھا بندر اس کا علاج بتا سکا۔ نہ لومڑی کو کچھ خبر تھی، نہ الّو کی عقل کچھ کام آئی لے دے کے صرف بوڑھا گیدڑ رہ گیا۔ اس نے شیر سے وعدہ کیا کہ میں حضور کا علاج ضرور کراؤں گا۔ گیدڑ جنگل کے ایک دوسرے عقلمند گیدڑ کے پاس گیا۔ جس نے شیر کا علاج بتایا۔ گیدڑ چالاک تھا اس لیے خود علاج بتانے کے بجائے شیر کو گیدڑ کے پاس لے گیا۔ عقلمند گیدڑ نے شیر کو جو دیکھا تو تھر تھر کانپنے لگا لیکن بوڑھے گیدڑ کے ہمّت دلانے پر کانپتی آواز میں علاج بتا دیا۔ ایک صحت مند زندہ بندر کے بچّے کا دل اگر شیر کھائے تو اس کی بیماری جاتی رہے گی۔

شیر خوش ہو گیا۔ بھلا جنگل میں بندروں کی کیا کمی تھی۔ وہ کسی کا بھی شکار کر سکتا تھا لیکن گیدڑ نے ہاتھ جوڑ کر کہا "آپ اطمینان سے اپنے گھر تشریف رکھیں میں ایک صحت مند بندر کا بندوبست کر دوں گا۔" شیر گیدڑ سے خوش ہوا اُس نے سوچا، یوں ہی سہی، اس طرح وہ جنگل میں اس بدنامی سے بھی بچ جائے گا کہ اُس نے بندر کا شکار کیا ہے۔

جب دونوں واپس آئے تو گیدڑ، بندر کی تلاش میں نکلا۔ تھوڑی دُور گیا تھا کہ اس کی نظر چُنّو میاں پر پڑی، جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ جامنوں کے پیڑ پر چڑھے ہوئے تھے۔ انھوں نے گیدڑ کو دیکھا تو اُوپر سے کچّی کچّی جامنیں مارنے لگے۔ "لو چچا کھاؤ۔۔۔" پھر خوب قہقہے لگائے۔ گیدڑ نے سب برداشت کیا اور پیار سے پکارا "بیٹا ذرا نیچے آؤ۔۔۔ تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

چنّو میاں جھٹ نیچے کُود گئے۔ گیدڑ نے اُن کی پھُرتی، بہادری اور صحت کی خُوب تعریف کی اور پھر بتایا کہ بوڑھا شیر اُن کی بہادری سے بہت خوش ہوا ہے اور ان سے ملنا چاہتا ہے وہ چنّو میاں کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا ہے۔ چنّو میاں بے وقوف تو تھے ہی لہٰذا فوراً تیار ہو گئے۔ لیکن چلنے سے پہلے کہنے لگے "میں ذرا اپنے ساتھیوں کو بتا دوں۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے ارے جب شیر تمھیں لے کر جنگل میں نکلے گا تو سب کو معلوم ہو جائے گا۔"

"واقعی۔۔۔؟" چنّو میاں نے پوچھا۔

"اور کیا۔۔۔ شیر جب بیٹا بنائے گا۔ تو جنگل میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل جائے گی۔" گیدڑ نے جواب دیا۔

چنّومیاں شیر کا بیٹا بننے کے تصوّر میں آگے بڑھے تو ساتھیوں نے اوپر سے چیخ کر پوچھا کہاں جا رہے ہو۔۔۔؟"

"میں ذرا چشمے تک جا رہا ہوں" انھوں نے جھوٹ بولا اور گیدڑ کے ساتھ چل دیے۔ شیر کے غار میں جاتے ہوئے ایک بار تو دل دھڑکا مگر گیدڑ نے ہمت بندھائی تو جی کڑا کر کے اندر داخل ہو گئے۔ سامنے شیر بیٹھا تھا۔ چنّومیاں نے اتنے نزدیک سے شیر کہاں دیکھا تھا۔ اس لیے کانپنے لگے۔ شیر نے ان کی طرف دیکھا تو گیدڑ نے کہا "حضور! بالکل آپ کے مطلب کا موٹا بندر۔"

"بندر۔۔" شیر دھاڑا اس کے منھ میں موٹے بندر کو دیکھ کر پانی بھر آیا۔ چنّومیاں غار کی دیوار سے چمٹ گئے۔

"میں اسے دوپہر کو کھاؤں گا" شیر بولا۔ چنّومیاں کی رُوح فنا ہو گئی۔ انھوں نے گھبرا کر گیدڑ کی طرف دیکھا، جو مُسکرا رہا تھا، اب انھیں حقیقت معلوم ہوئی۔ ان کے ساتھ دھوکا ہوا تھا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا؟

"حضور مجھے اجازت" گیدڑ جب جانے کے لیے اُٹھا تو چنّومیاں نے اُس کی بڑی خوشامد کی اور ساتھ جانے لگا تو شیر نے ایک پنجہ مارا، یہ دُور جا پڑے۔

"اگر بھاگنے کی کوشش کی تو جان سے مار دُوں گا" شیر دھاڑا مارے ڈر کے چنّومیاں کی آواز بند ہو گئی۔ گیدڑ چلا گیا چنّو کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ انھیں اپنی ماں بہت یاد آرہی تھی۔ باپ کا چہرہ بھی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ دوست ساتھی، جنگل سب یاد آئے۔ چنّومیاں سوچ رہے تھے۔ میرا انجام کیسا دردناک ہے چند گھنٹوں بعد میری ہڈّیاں اور کھال رہ جائے گی۔ یہ سوچ سوچ کر روتے، لیکن شیر پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اتنے میں چنّومیاں نے دیکھا کہ خالہ لومڑی غار میں چلی آرہی ہیں وہ انھیں دیکھ کر خوش ہو گیا کہ شاید کوئی راستہ آزادی کا نکل آئے شیر نے اُسے دیکھا تو غرّا کر بتایا کہ اب انھیں کسی علاج کی ضرورت نہیں عقلمند گیدڑ نے نہ صرف علاج، بلکہ دوا کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔ لومڑی نے مبارک باد دی اور بندر کی طرف بھی اُچٹتی نظر ڈالی، چنّومیاں کو دیکھ کر خوش ہو گئی۔ مگر پھر یہ سوچ کر اُداس ہو گئی کہ چنّو کے ماں باپ پر کیا گزرے گی۔

اتنے میں شیر کھڑا ہو گیا اور بولا "تم جاؤ، میں ذرا غار کے دروازے پر بیٹھ کر تازہ ہوا کھاؤں گا"۔

"اگر اجازت ہو تو اس بندر سے بات کروں اسے بتاؤں کہ یہ کتنی بڑی قربانی دے رہا ہے اِسے ہنسی خوشی آپ کے لیے مرنا چاہیے" شیر نے اقرار میں گردن ہلائی اور غار کے دروازے پر جا بیٹھا۔ چنّو میاں دوڑ کر آئے اور لومڑی کے پیروں میں گر گئے۔

"خالہ مجھے بچالو..." وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔

"میں کیسے بچاؤں، یہ تمھیں چھوڑے گا نہیں" لومڑی مایوسی سے بولی "لیکن یہ تمھیں کیسے پکڑ لایا؟" اُس نے پوچھا۔

"چچا گیدڑ مجھے یہاں تک لایا" چنّو میاں نے روتے ہوئے بتایا۔

"تو یہ گیدڑ کی حرکت ہے، لیکن تم نے بھی کسی سے بنا کر نہ رکھی" لومڑی نے افسوس سے کہا۔

"لیکن مجھے بچالو خالہ..." چنّو میاں کی حالت خراب تھی۔

"تم اسکول جاتے تھے" لومڑی نے پوچھا۔

"نہیں" چنّو میاں نے نفی میں گردن ہلائی۔

"کاش! تم اسکول جاتے، وہاں تمھیں بوڑھا بندر ضرور کوئی ایسی چال بتاتا، جو آج تمھارے کام آتی" لومڑی بولی...

چنّو میاں کو افسوس تھا لیکن اب جان بچانے کی صورت نظر نہ آتی تھی "کچھ سوچو خالہ" انھوں نے التجا کی۔

"کیا سوچوں۔ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ میں اگر باہر چلی جاؤں تو دوبارہ اندر نہیں آسکتی اور اس عرصے میں یہ تمھیں کھائے گا"

چنّو میاں پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

"ایک ترکیب آئی ہے..." لومڑی خوشی سے بولی "کیا تمھیں بے ہوش ہونے کی ترکیب آتی ہے؟"

"ہاں..." چنّو میاں نے اُچھل کر کہا "میں دو تین دن اسکول گیا تھا۔ وہاں مجھے یہ ترکیب سمجھائی گئی تھی"

"تم کتنی دیر سانس روک سکتے ہو؟" لومڑی نے پوچھا۔

"بہت دیر... اور موت کے ڈر سے زیادہ دیر" چنّو میاں بولے۔

"بس تو کام ہو گیا۔ میرے جانے کے بعد جب شیر اندر آئے، تم تڑپ کر کھڑے ہونا اور چیخ مار کر گر جانا۔ شیر یقینی طور پر تمھارے پاس آئے گا بس تم سانس روک لینا وہ تمھیں مُردہ سمجھ کر پھینک دے گا۔ کیونکہ گیدڑ نے زندہ بندر کا دل بتایا ہے، لیکن یہ سب میرے جاتے ہی نہ کر دینا ورنہ شیر کو شک ہو جائے گا کہ یہ خالہ

لومڑی کی ترکیب ہے۔" لومڑی ترکیب سمجھا کر چلی گئی۔ جاتے ہوئے شیر سے کہہ گئی کہ بندر بے حد خوفزدہ ہے شیر اُسے بالکل نہ ڈرائے ورنہ کہیں وہ مر ہی نہ جائے، شیر اندر آیا تو چنّومیاں پھر سہم کر دیوار سے جا لگے شیر زمین پر بیٹھ کر چپ چاپ انھیں دیکھتا رہا۔

جب چنّومیاں کو یہ احساس ہُوا کہ اب دوپہر ہونے والی ہے تو وہ اپنی جگہ سے پوری طاقت سے اتنا اُچھلے کہ ان کا سر چھت سے ٹکرا گیا اور وہ ایک چیخ مار کر گر پڑے اور جسم اکڑا لیا حالانکہ سَر میں بڑے زور کی چوٹ لگی تھی مگر کیا مجال، جو کوئی آواز نکل جائے شیر نے یہ سب کچھ دیکھا۔ اُٹھ کر نزدیک آیا۔ دیکھا تو چنّو میاں اکڑے پڑے ہیں۔ سانس غائب آنکھیں پھٹی پڑی ہیں، شیر نے تشویش سے دیکھا۔ تھوڑی دیر انتظار کیا پھر ہاتھ پاؤں چھُوئے۔ جسم دیکھا۔ منہ کھولا اور یقین کر لیا کہ بندر مر گیا تو گھسیٹتا ہوا غار کے دروازے تک لایا چنّومیاں کو لگا کہ اب منہ سے چیخ نکلی، اب چیخ نکلی۔

شیر نے یہ سوچ کر کہ گیدڑ آتا ہی ہوگا اس سے دوسرا بندر منگا لیں گے، چنّومیاں کو غار کے دروازے پر لا پھینکا، ادھر شیر نے اندر جانے کے لیے منہ موڑا، ادھر چنّومیاں نے جست لگائی اور یوں بھاگے، جیسے ہَوا شیر نے حیرت سے دیکھا اور پھر گردن ہلا کر کہا "یہ سب لومڑی کی حرکت ہے، میں اس سے نپٹ لُوں گا۔"

اب چُنّومیاں اسکول جاتے ہیں، ماں باپ کا کہنا مانتے ہیں، بڑوں کی عزّت کرتے ہیں۔ چھوٹوں سے محبت سے پیش آتے ہیں۔ انھیں اب کوئی دیکھے تو یقین ہی نہ کرے کہ یہ وہی شرارتی نٹ کھٹ نافرمان چنّومیاں ہیں۔

جب تک کپڑے سوکھیں
کیوں نہ جھولا جھولیں

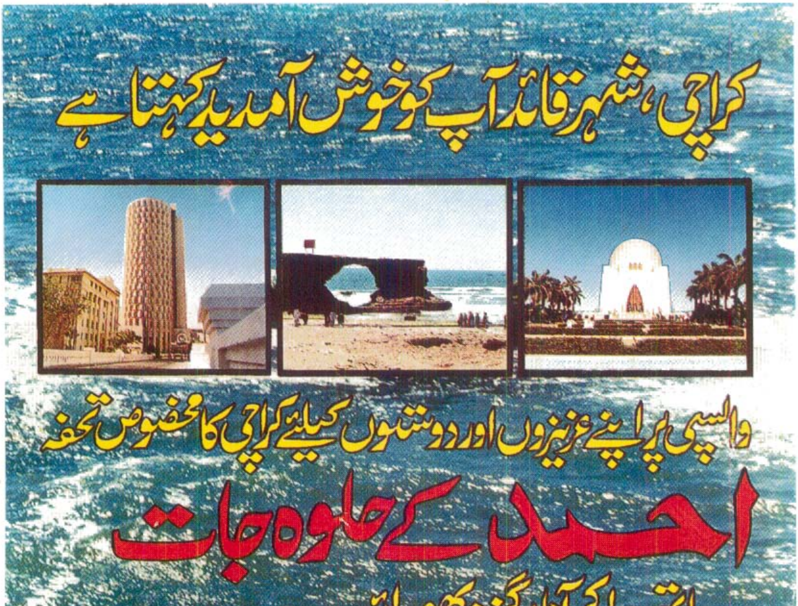

کراچی، شہرِ قائد آپ کو خوش آمدید کہتا ہے
واپسی پر اپنے عزیزوں اور دوستوں کیلئے کراچی کا مخصوص تحفہ
احمد کے حلوہ جات
ساتھ لے کر آنا ہرگز نہ بھولیئے
حلوہ جوزی
سوہن ڈیلائیٹ
فریش ویل
حبشی حلوہ
سوہن حلوہ
Freshwel
MANGONICA
MASS

عجوبۂ روزگار مکی ماؤس کی کار

اس کار کو غور سے دیکھیے۔ اس کا نام لیموزائن ہے اور یہ دنیا کی مہنگی ترین کاروں میں سے ایک ہے۔ اسے ڈزنی لینڈ کے نئے فلم اسٹوڈیو فلوریڈا کی تشہیر کے لیے بطور خاص ڈیزائن کیا گیا ہے۔ اس کار کی لمبائی ۴۰ فٹ ہے اور اس میں ایک خوبصورت بیڈ روم کے علاوہ ایک مرکزِ تفریح بھی ہے۔ جس میں اسٹیریو اور دیگر آلاتِ موسیقی کے علاوہ دو رنگین ٹی وی سیٹ بھی ہیں، مونوگرام کی جگہ لگا ہوا دو

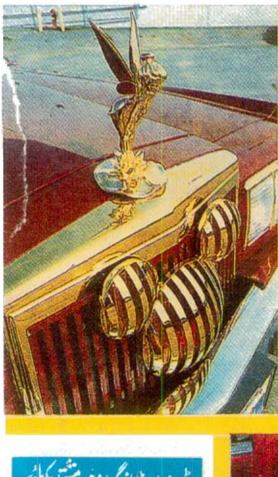

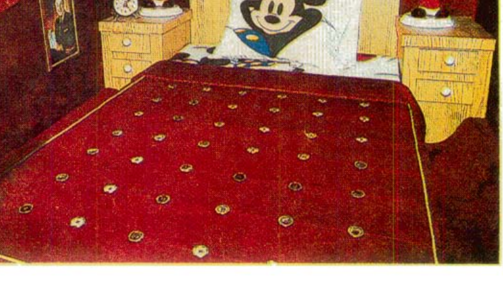

بیڈروم اور ڈرائنگ روم پر مشتمل مکی ماؤس کی کار کا اندرونی حصہ

پروں والا خوبصورت ڈیزائن ۲۴ قیراط سونے سے تیار ہوا ہے۔ پاکستانی کرنسی میں بغیر کسٹم ڈیوٹی کے اس کی قیمت ۶۰ لاکھ روپے سے زیادہ ہے۔ کار میں بنے ہوئے اس مکمل گھر کو "ملکی ماؤس" کے گھر کا نام دیا گیا ہے اور اسے لاس اینجلس میں تیار کیا گیا ہے۔ اتنی پُرتعیّش کار کو دیکھ کر ہمارا ذہن لامحالہ یہی سوچنے لگتا ہے کہ ہماری دنیا بھی کتنی عجیب ہے۔

اس میں ایک طرف تو مفلسی، غربت، بیماریاں ان گنت مجبوریاں اور مسائل ہیں تو دوسری طرف دولت کی ریل پیل، آسائشوں کی بہتات اور عیّاشیوں کی فراوانی ہے۔

عیّاشیوں کے تصوّرات بھی سب کے اپنے اپنے ہیں۔ ہمیں اگر ویگن میں بیٹھنے کو یا بس میں کھڑے ہونے کو جگہ مل جائے تو ہم سمجھتے ہیں آج تو واقعی عیّاشی ہوگئی ... لیکن دوسری طرف ناشکروں کی ایک فوجِ ظفر موج ایسی بھی ہے جو بہت قیمتی سی کار میں بیٹھنے کے بعد بھی مطمئن نہیں ہوتی اور اس سے بھی بہتر اور قیمتی کار کے خواب دیکھنے لگتی ہے...

عیّاشیوں کے یہ سارے تصوّر ہم دیسی لوگوں کے ہیں اگر آپ اس معاملے میں بدیسی لوگوں کو دیکھیں تو وہاں کا معاملہ بالکل مختلف نظر آئے گا۔ سچّی بات تو یہ ہے کہ امریکہ اور یورپ کے اکثر ملکوں کے کتّے بھی تیسری دنیا کے انسانوں سے زیادہ آرام سے رہتے ہیں۔ انہیں کھانے کو ایسی عمدہ غذائیں دی جاتی ہیں جن کا تصوّر بھی ہمارے لیے محال ہے۔ اسی طرح ان کے جانوروں کا رہنا سہنا، ان کے ناز نخرے اُٹھائے جانا، یہ سب عیّاشی نہیں تو اور پھر کیا ہے۔

اس دنیا میں جہاں کروڑوں لوگ ایک وقت کی روٹی کو ترستے ہیں، وہاں ایک فرضی کردار "ملکی ماؤس" کروڑوں روپے کی اس کار میں بیٹھا ہوا۔ پوری دنیا کا مذاق اُڑا رہا ہے۔

●

ننّھے منّے بچّے ہم ہیں

طہورہ زیدی

ملیر . کراچی

ننّھے منّے بچّے
آنکھ مچولی کھیلیں گے
رانی منّی اور گڑیا
اطہر، قادر اور بھیّا
ثنا مدیحہ اور کامی
چور بنے گا اب عامی
باغ میں سب چھپ جائیں گے
عامی ڈھونڈنے جائیں گے
پٹی باندھ کے آنکھوں پر
دیکھیں گے وہ اِدھر اُدھر
پیڑوں سے ٹکرائیں گے
پھسلیں گے گر جائیں گے
ہم ننّھے مُنّے بچّے
آنکھ مچولی کھیلیں گے

گفتگو اور تاثرات

محمد سلیم مغل

آنے والی کل کے ہیرو

سالانہ امتحانات میں ۴۴ پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے چار ذہین بہن بھائیوں سے ملاقات

آج شادی ہال کا سماں ہی کچھ اور تھا، نہ دولھا نہ دلہن، نہ شہنائی کی آواز، نہ ڈھولک کی تھاپ نہ بارات نہ باراتی، تھی تو یہ بھی ایک تقریب مگر شادی کی نہیں... شہر کے خوبصورت میرج ہال میں اینگلو اورینٹل اسکول نے سالانہ امتحان کے نتائج کی تقریب منعقد کی تھی۔

آج نہ یونیفارم کی قید تھی، نہ نظم وضبط کی پابندی۔ بچے رنگ برنگے کپڑوں میں حسین تتلیوں کی طرح بھلے معلوم ہورہے تھے۔ اکثر بچے متجسس نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے اور پھر ایسی

رازداری سے کان میں کچھ کہتے جیسے کسی نے سُن لیا تو قیامت آجائے گی۔

بے چینی اور اضطراب ان کے چہروں سے عیاں تھا۔ بے چینی کیوں نہ ہوتی۔ آج سالانہ امتحان کا نتیجہ جو نکلنے والا تھا۔ سال بھر کی محنت کا ثمر آج ملنا تھا۔ آج تو سچ مچ ایک ایک لمحہ بڑی تاخیر سے گزر رہا تھا۔

خدا خدا کرکے نتائج کی تقریب کا آغاز ہُوا۔ گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی پُرنصیحت تقریروں سے ابتداء ہوئی۔ نمایاں کامیابی حاصل کرنے والوں کو اسٹیج پر بلایا جاتا تو پورا ہال تالیوں کے شور سے گُونج اُٹھتا۔ کئی کیمروں کی فلش بیک وقت چمکتیں اور ذہین بچّوں کے خوشی سے چمکتے ہوئے چہرے کیمرے کی آنکھ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتے۔ مبارک باد کا شور، خراجِ تحسین کی آوازیں، رشک سے دیکھتی ہوئی نظریں اور اس سارے ہنگامۂ ہاؤ ہُو میں عین اُس وقت ایک عجیب صورت پیدا ہو گئی جب آٹھویں جماعت کا نتیجہ سُناتے ہوئے دوسری پوزیشن کا انعام حاصل کرنے کے لیے عظمیٰ کا نام پکارا گیا۔ عظمیٰ اپنا انعام لینے کے لیے آئی تو مگر اُداس اُداس، پریشان پریشان۔ اپنی کامیابی کا انعام حاصل کرتے ہوئے عظمیٰ آب دیدہ سی ہو گئی ۔۔۔ دیکھنے والوں نے اُسے خوشی کے آنسو جانا، مگر جب آنسوؤں کی جھڑی رُکنے میں نہ آئی تو پتا یہ چلا کہ اپنی ابتدائی جماعت سے ہر سال اوّل آنے والی بچّی اس بار دوسرے نمبر پر آئی ہے۔ اور پہلی پوزیشن حاصل نہ کر سکنے کے احساس نے بچّی کو غمزدہ کر دیا ہے۔

مجھے پہلی بار احساس ہُوا کہ جو لوگ ہمیشہ بڑی کامیابیوں کے حصول کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ انھیں چھوٹی کامیابیوں سے کبھی حقیقی مسرّت حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن یہ بات بھی کیا کم تھی کہ یہ بچّی ہمیشہ سے پوزیشن ہولڈر رہی ہے اور اس بار بھی اس کا نام نمایاں کامیابی حاصل کرنے والوں میں شامل ہے ۔۔۔ مسلسل ۷ سال تک پہلی پوزیشن حاصل کرتے رہنے پر میری حیرت ابھی کم نہیں ہو رہی تھی کہ میرے عزیز انجم بھائی نے ایک اور انکشاف کرکے گویا مجھ پر حیرتوں کا پہاڑ توڑ دیا۔ عظمیٰ کے تین بھائی فراز، اعجاز اور شیراز بھی ہر سال اپنی کلاس میں اوّل آتے ہیں اور ان چاروں بہن بھائیوں نے سالانہ امتحان میں آج تک کل ۲۴ پوزیشنیں حاصل کی ہیں۔ جن میں ایک کے علاوہ بقیہ تمام پہلی پوزیشنیں ہیں۔

میرے لیے یہ انکشاف کسی چونکا دینے والی خبر سے کم نہ تھا۔ میں نے اکثر ذہین اور پوزیشن ہولڈر بچّے دیکھے ہیں مگر ایک ہی گھر کے سب بچّے اس قدر ذہین ہو سکتے ہیں۔ یہ میرے علم میں ایک خوشگوار اضافہ تھا۔ بے یقینی کے عالم میں، بہت سے سوال ذہن میں آتے رہے۔ آخر وہ کون سا گُر ہے جو چند بچّوں کو دوسرے بہت سے بچّوں سے زیادہ ذہین اور لائق فائق بنا دیتا ہے؟ یہ جاننے کے لیے میں نے ان بچّوں سے ملنے کا قصد کیا اور اُن کے ابّو سے وقت طے کرنے کے بعد ان کے گھر جا پہنچا۔

گلشنِ اقبال میں واقع ایک خوبصورت سے اپارٹمنٹ کے پُر سلیقہ ڈرائنگ روم میں ہم سب آلتی پالتی ملر کے بیٹھ گئے اور بہت دیر تک سوال و جواب کی محفل گرم رہی ... میں نے کیا پوچھا اور انہوں نے کیا جواب دیا؛ اس کا احوال ہم آپ کو بعد میں بتائیں گے۔ پہلے ایک نظر ان بچّوں کے تعارف اور کارکردگی کے اس چارٹ پر ڈال لیجیے۔

نام	فراز	عظمیٰ	اعجاز	شیراز
عمر	۱۵سال	۱۴رسال	۱۱رسال	۷رسال
کلاس	دہم	نہم	ہفتم	سوئم
تازہ ترین نتائج	پہلی پوزیشن	دوسری پوزیشن	پہلی پوزیشن	پہلی پوزیشن
حاصل کردہ نمبر	اسکول ٹیسٹ ۱۸۱/۲۰۰	۸۰۲/۸۵۰	۷۲۳/۸۵۰	۴۵۳/۴۷۵
نمبروں کا تناسب	۹۰٫۰۵	۹۴٫۲۵	۸۵٫۰۵	۹۵٫۷۳
کل پوزیشن جو آج تک حاصل کیں	۸ ربار پہلی پوزیشن	۷ ربار پہلی پوزیشن ایک بار دوسری پوزیشن	۶ ربار پہلی پوزیشن	دو بار پہلی پوزیشن
کھیل	ٹیبل ٹینس، ہاکی	بیڈمنٹن	کرکٹ	ہاکی
مشاغل	مطالعہ اور کھیل	معلوماتی کتب پڑھنا، مقابلۂ معلومات میں حصہ لینا، انڈور گیمز	ڈاک ٹکٹ جمع کرنا تقریر کرنا	اسٹیکرز جمع کرنا

فراز، عظمیٰ اور اعجاز سے میرا پہلا سوال تھا۔

آپ لوگوں کے پاس کیا الہ دین کا کوئی چراغ ہے؟

نہیں تو! سب نے حیرت سے میرا منہ تکتے ہوئے جواب دیا۔

تو پھر یہ ساری پوزیشنیں آپ چاروں بہن بھائی کس طرح سمیٹ لیتے ہیں ...؟ آخر اور بھی تو بچے ہیں آپ کی کلاس میں۔؟

عظمیٰ :۔ ہماری دوستیں بھی یہی کہتی ہیں کہ تمہارے پاس کون سا الہ دین کا چراغ ہے وہ ہمیں بھی دے دو۔ مگر ہمارے پاس تو کوئی چراغ نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ ہم ذرا زیادہ اُس سے پڑھ لیتے ہیں۔

یہ "اُس" کیا چیز ہے۔ جس سے آپ پڑھ لیتی ہیں؟

عظمیٰ :۔ مطلب یہ کہ سال بھر مستقل مزاجی کے ساتھ، محنت کے ساتھ، ہر روز باقاعدگی کے ساتھ۔

انٹرویو کا سماں ... ۴، ذہین بہن بھائی سوالات کا سامنا کرتے ہوئے

محنت اور مستقل مزاجی آپ ہی کے لیے کیوں؟ دوسرے بچے کیوں نہیں پڑھتے اس طرح؟

فراز :۔ ہم نے دیکھا ہے کہ دوسرے بچے پورا سال اتنا نہیں پڑھتے اور سال کے آخر میں دن رات ایک کر دیتے ہیں۔ ہم اس طرح نہیں کرتے، پڑھائی کو امتحان کے دنوں میں سر پر سوار کرنے کے بجائے ہم سال بھر باقاعدگی سے پڑھتے ہیں اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دیتے، ہم لوگ بخار کی حالت میں بھی اسکول جاتے رہے ہیں۔

تو ثابت یہ ہوا کہ محنت کے ساتھ مستقل مزاجی بھی ہو تو کامیابی یقینی ہوتی ہے۔

شیراز :۔ جی انکل۔

سچ سچ بتایئے کہیں آپ لوگوں نے اپنے ٹیچرز سے تو بہت اچھے تعلّقات تو نہیں رکھے ہوئے... میرا مطلب ہے، تحفے تحائف، دعوتیں وغیرہ۔ اس طرح آپ کو ٹیچرز اچھے نمبر دے دیتے ہوں گے۔؟

نہیں، بالکل نہیں... جی نہیں... سب نے ہم زبان ہو کر اس الزام کا دفاع کیا اور مجھے یُوں دیکھا جیسے واقعی میں نے کوئی غلط بات پوچھ لی ہو...

ہم لوگوں نے اسکول بدلے، ہمارے اساتذہ تبدیل ہوئے لیکن ہمارے رزلٹ کبھی خراب نہیں ہوئے۔ (اعجاز، عظمیٰ اور فراز نے یہ باتیں کم و بیش ایک ساتھ کہیں)... اور پھر، ہمارے نمبر ایک دو مضامین میں تو اچھے نہیں ہوتے سبھی میں اچھے ہوتے ہیں۔

عظمیٰ آپ ہمیشہ اوّل آتی رہی ہیں اس بار پہلی پوزیشن کیوں حاصل نہ کر سکیں...؟

عظمیٰ نے بتایا... میرا مجموعی نتیجہ بہت اچھا رہا... میں نے تمام مضامین میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے ہیں، لیکن ڈرائنگ میں میرے نمبر خاصے کم آئے۔ جس روز ڈرائنگ کا پرچہ تھا اُس روز مجھے ۱۰۲ بخار تھا... مُجھ سے ڈرائنگ ٹھیک طرح سے نہیں ہوئی۔ بقیہ تمام مضامین میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے کے باوجود میری پہلی پوزیشن نہ آسکی۔

عظمیٰ کی باتوں اور چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ پہلی پوزیشن حاصل نہ کر سکنے کا مَلال ابھی باقی ہے۔ میں نے اس کا دِل رکھنے کی خاطر موضوع کو یُوں بدلا عظمیٰ، آپ کے خیال میں جہانگیر خان معمولی کھلاڑی ہے ۔؟ عظمیٰ :۔ نہیں تو... وہ تو دُنیا کا نمبر ایک کھلاڑی ہے... نہیں میرا تو خیال ہے وہ اچّھا کھلاڑی نہیں ہے...؟ عظمیٰ :۔ ہیں! وہ ۔کیسے ؟ بھئی وہ ایسے کہ... ہمیشہ عالمی چیمپئن شپ ۔جیتتے جیتتے اچانک ایک مرتبہ وہ ہار گیا اور عالمی چیمپئن ہونے کا اعزاز کھو دیا عُظمیٰ :۔ اس سے کیا ہوتا ہے... پھر بھی رہا تو وہ دُنیا کا اچھا کھلاڑی اور یہ اعزاز تو اس نے پھر حاصل کر لیا تھا ۔ بالکل ٹھیک میں بھی آپ سے یہی کہنا چاھتا ھوں کہ مسلسل پہلی پوزیشن حاصل کرتے کرتے اگر ایک بار دوسری پوزیشن آگئی تو آپ کوئی معمولی طالبہ تو نہیں ھو گئیں... آپ اب بھی سب سے آگے ھیں، یہ چھوٹی سی ناکامی آئندہ کے لیے مہمیز کا کام کرے گی اور آپ انشاءاللہ پھر سے پہلی پوزیشن حاصل کرنے لگیں گی۔ اس بات پر عظمیٰ کا چہرہ کِھل اُٹھا... شاید یہ نکتہ سمجھ میں آگیا تھا ۔ اعجاز بہت دیر سے خاموش بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے کچھ پُوچھنا مناسب سمجھا اعجاز میاں ۔ آپ سب کا پورا دن کس طرح گذرتا ہے ؟ صبح بیدار ھونے سے لے کر رات کو سوجانے تک تفصیل سے بتلائیے... اعجاز :۔ فجر کی نماز پڑھ کر تھوڑی دیر کے لیے دوبارہ سو جاتے ہیں، پھر آٹھ یا ساڑھے آٹھ بجے ناشتہ کر کے اخبار پڑھتے ہیں، اس کے بعد کورس پڑھنے بیٹھ جاتے ہیں ۔ کیا مطلب اسکول نہیں جاتے...؟ میں نے اپنی حیرت کا اظہار کیا ۔ نہیں، ہمارا اسکول دوپہر کی شفٹ کا ہے... صرف شیراز پہلی شفٹ میں ہے... فراز بھائی عظمیٰ باجی اور میں دوپہر ساڑھے بارہ بجے اسکول چلے جاتے ہیں شام کو پانچ بجے واپسی ہوتی ہے ۔ اس عرصے میں کھیلنے کا وقت تو نہ مِلا ؟ فراز :۔ نہیں ہم عصر سے مغرب تک کھیلتے ہیں ۔ پڑھنے کا مزہ صبح آتا ہے یا رات کو ؟ فراز :۔ صبح آتا ہے اس لیے کہ صبح چیزیں یاد رہ جاتی ہیں ۔ اس لیے ہم صبح یاد کرتے ہیں ۔ آپ کا مطلب ہے آپ رَٹّا لگاتے ھیں ۔ نہیں رَٹّا نہیں... اچھّا یوں کہہ لیجیے... صبح کے وقت آپ ذہن نشیں کرتے ھیں ۔ ہاں بَس کچھ اسی طرح سمجھ لیجیے ۔ آپ کے خیال میں دوسری شِفٹ میں پڑھنا پہلی شِفٹ میں پڑھنے سے بہتر ہے ۔؟ نہیں ہمارا خیال ہے پہلی

شفٹ میں پڑھنے سے دیگر مشاغل اور مصروفیات کے لیے وقت نکالا جا سکتا ہے۔ ہماری کلاسیں چونکہ دوسری شفٹ میں ہوتی ہیں، اس لیے دوسری شفٹ میں پڑھنا ہماری مجبوری ہے۔ آپ لوگ اتنی محنت کرتے ہیں۔ خوب دل لگا کر پڑھتے ہیں تو یقیناً آپ کے دوست آپ کی محنت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہوں گے۔ میرا مطلب ہے انہیں آپ کی نوٹ بکس کی ضرورت رہتی ہو گی۔ آپ کے کیے ہوئے ہوم ورک سے فائدہ اٹھاتے ہوں گے؟ سب تو نہیں کچھ دوست ایسے ہیں جو اکثر ہماری نوٹ بکس مانگنے آتے ہیں۔ آپ کو نوٹ بکس دینا برا تو لگتا ہو گا۔؟ نہیں بالکل برا نہیں لگتا۔ کسی ساتھی کی مدد کر کے خوشی ہوتی ہے ---

اچھا یہ بتائیے کہ آپ اتنی محنت کیوں کر رہے ہیں؟ بڑے ہو کر کیا بننے کا ارادہ ہے؟ فراز:- میرے ماموں الیکٹریکل انجینئر ہیں میں اُن سے متاثر ہوں اس لیے اُنہی کی طرح الیکٹریکل انجینئر بننا چاہتا ہوں۔ البتہ میرے ٹیچر نے دو تین بار کہا ہے کہ تم پاکستان کے صدر بنو گے' یہ بات اور لوگوں نے بھی کہی ہے۔ یہ بات صدر اسحاق خان کو پتا چل گئی تو مسئلہ ہو جائے گا اس راز کو ابھی راز رہنے دو۔ فراز: نہیں انھیں پتا نہیں چلے گا آپ بے فکر رہیے۔ اعجاز:- میرے ابّو کا ایک بڑا آپریشن ہوا تھا جس میں اُن کا ایک گردہ نکال دیا گیا تھا۔ میں نے ابّو کے آپریشن کے وقت یہ ارادہ کیا تھا کہ میں انشاءاللہ ڈاکٹر بنوں گا۔ عظمیٰ:- میں بھی ڈاکٹر بنوں گی۔ شیراز:- میں نے ابھی طے نہیں کیا۔ تھوڑا سا اور بڑا ہو جاؤں پھر طے کر لوں گا۔

عظمیٰ، فراز، شیراز، اعجاز اپنے تحائف کے ساتھ

انعامات، اعزازات، تحائف

اس قدر پڑھنا لکھنا اور پوزیشن کے حصول کے لیے محنت کرنا یوں ہی تو نہیں ہو گیا ہوگا۔۔ضرور امی، ابو یا گھر کا کوئی بڑا مدد کرتا ہوگا۔ فراز :۔ ہاں، امّی بہت محنت کرواتی ہیں... ہمیں آگے بڑھتے دیکھنا امّی اور ابو دونوں کا شوق ہے مگر ابو کی کاروباری مصروفیات زیادہ ہیں اس لیے امّی زیادہ وقت دیتی ہیں۔ ان کی دُعائیں اور مسلسل مَدد ہے۔ جس کی وجہ سے ہم اس قابل ہوئے۔ شروع میں تو امّی نے مجھے اور عظمیٰ کو بہت پڑھایا مگر اب ہم بڑے ہو گئے ہیں اس لیے خود پڑھ لیتے ہیں۔ اب امّی کی ساری توجّہ اعجاز اور شیراز پر ہے۔ گویا آپ کی بنیاد امّی نے مضبوط کر دی ہے اب فکر کی کوئی بات نہیں۔ جی بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ انٹرویو کے دوران ان ہونہار بہن بھائیوں کی امّی بھی ہمارے قریب بیٹھی ہوئی ہماری گفتگو کو دلچسپی سے سُن رہی تھیں۔ اس اثنا میں ان کے ابّو بھی تشریف لے آئے... میں نے مناسب جانا کہ تھوڑی سی گفتگو امّی ابو سے بھی ہو جائے... امّی سے میرا پہلا سوال تھا۔ ان بچّوں کو اس قابل بنانے میں آپ کا کتنا حصّہ ہے؟

امّی :۔ ماں کی حیثیت سے میں نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ انہیں پورا پورا وقت دیا۔۔ خوب محنت کروائی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ کبھی ناغہ نہیں ہونے دیا۔۔ کسی بڑی سے بڑی مجبوری کو رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ پڑھنے لکھنے کو سب پر مقدّم جانا۔ یہی نہیں بلکہ کوشش کی کہ ہم سے کبھی بھولے سے کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے جو ہمارے بچّوں کے لیے بھی غلطی کرنے کا جواز فراہم کرے۔ کئی بار طبیعت ٹھیک نہیں ہوتی۔ نماز قضا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کبھی شدید نیند آ رہی ہوتی ہے مگر یہی سوچتے ہیں کہ اگر ہم نے نماز نہ پڑھی تو بچّوں کو کیسے سمجھائیں گے اس لیے ہر حال میں نماز ادا کرتے ہیں۔۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ الحمدللہ ہمارے چاروں بچّے پانچ وقت کے نمازی ہیں، روزانہ قرآن شریف باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔ جب بلاؤ بھاگے ہوئے آتے ہیں کبھی بہانہ نہیں کرتے۔

آپ کی تعلیم :۔ امّی :۔ میں نے جامعہ سندھ سے انگریزی ادب اور اُردو ادب میں دو ایم اے کیے ہیں :۔ بچّے گھر کے کام کاج میں آپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں؟ ہاں... بہت زیادہ مَدد کرتے ہیں... بستر بچھاتے ہیں... عظمیٰ کچن کے کام کرتی ہیں... یہاں تک کہ ہمارے ہاتھ پاؤں دباتے ہوئے بھی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ عبدالرّزاق صاحب، آپ ان کے ابّو ہیں... کچھ آپ بھی کہیے؟ ابّو :۔ میں آپ سے کیا کہوں سوائے اس کے کہ ہمیں اپنی خوشیاں اپنے بچّوں میں تلاش کرنی ہیں... جو ہم حاصل نہیں کر سکے... اُن کامیابیوں کا راستہ انہیں دکھانا ہے... خدا کرے یہ لوگ کامیاب رہیں۔ ہماری تو زندگی کا مقصد ہی یہ بچّے ہیں۔ ہماری

تمام تر توجہ اب ان پر ہے ... ہم ان کی خوشیوں کی خاطر جی رہے ہیں ۔ اس بار عظمیٰ پہلی پوزیشن حاصل نہیں کر سکی، آپ کو کیسا لگا؟ ابو:۔ بچی کو افسردہ دیکھ کر کچھ دکھ تو ہمیں بھی ہوا مگر زیادہ اس لیے نہیں ہوا کہ جس بچی نے پہلی پوزیشن لی ہے وہ بھی ہماری اپنی بچی ہے ۔ میری بھتیجی ہے ۔ میرا اپنا خون ہے ... گویا یہ پوزیشن بھی ہمارے ہی گھر میں رہی ... ہاں اگر یہ پوزیشن کسی اور کو ملتی تو شاید ذرا زیادہ ملال ہوتا ۔ میں نے عظمیٰ اور فراز کو مخاطب کر کے پوچھا کہ آپ کو کبھی امی ابو سے ڈانٹ بھی پڑی ہے؟ ہاں ... ڈانٹ ڈپٹ کبھی کبھار ہو ہی جاتی ہے لیکن بات اس سے آگے نہیں بڑھتی اور ظاہر ہے ہماری غلطی پر ہی ایسا ہوتا ہے ۔ اور پھر یہ کہ اس سے ہماری اصلاح مقصود ہوتی ہے ۔ آپ کو امی ابو کی ڈانٹ ڈپٹ زیادہ تکلیف دیتی ہے یا ناراض ہو کر اُن کا خاموش ہو جانا ۔؟ اُن کی خاموشی تو ہمیں پریشان کر دیتی ہے ... جب تک وہ بولنا نہ شروع کر دیں ۔ ہمیں چین نہیں آتا ...

آپ سب کو نصابی یا غیر نصابی سرگرمیوں میں حصّہ لینے پر انعامات بھی تو ملے ہوں گے؟

اس سوال کے جواب میں میری توجہ ایک میز کی طرف مبذول کروائی گئی، جس پر کوئی ایک کلو کے لگ بھگ سرٹیفکیٹس، اسپورٹس کا سامان کھلونے اور بہت سی کتابیں سجی ہوئی تھیں ۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا کہ ہمارے بہت سے انعامات تو ضائع ہو گئے ہیں ۔

اعزازات اور تحائف کا ڈھیر دیکھ کر ایسا لگا جیسے میں کسی دکان کے سامان سے بھرے ہوئے گوشے میں آ گیا ہوں ۔ میں نے انھیں اُن کی ڈھیروں کامیابی پر مبارک باد دی ۔

چائے پیتے ہوئے باتیں تو اور بھی بہت سی ہوئیں مگر محدود صفحات کے باعث سب کچھ بیان کر دینا ممکن نہیں ۔ میں نے چاروں بچّوں سے اجازت لی اور واپس آ گیا ۔ چلتے ہوئے مجھے ایسا لگا کہ یہ چاروں بہن بھائی اگر سچ مچ میرے بہن بھائی ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا، یا پھر یوں کہہ لیجیے کہ میرے بہن بھائی بھی اتنے ہی ذہین ہوتے تو میں اُن پر کتنا فخر کرتا ۔ اس گفتگو کا جو تاثر کئی روز تک میرے ذہن پر باقی رہا اور ہنوز موجود ہے وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ بچّوں کو بنانے اور بگاڑنے میں سب سے اہم کردار ماں کا ہے ... یوں تو ہر ماں اپنے بچّے کو بڑا آدمی بنانے کا خواب دیکھتی ہے مگر کتنی مائیں ایسی ہیں جن کی تمام تر خواہشوں کا محور اپنے بچّوں کے علاوہ کچھ اور نہیں ہوتا اور کتنی مائیں ایسی ہیں جن کی نماز محض اس لیے قضا نہیں ہوتی کہ اگر ایسا ہو گیا تو وہ اپنے بچّوں کو نماز کی تلقین کیسے کریں گی ...؟

جُستجو شرط ہے

اسامہ بن سلیم

جُستجو شرط ہے کا چھٹا مقابلہ پیشِ خدمت ہے۔ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ یہ صرف معلومات ہی کا نہیں ذہانت کا بھی مقابلہ ہے... اپنی ذہانت کو سوالات کی اس کسوٹی پر پرکھیے اور دیکھیے کہ آپ کتنے پانی میں ہیں۔

اس مقابلے میں شرکت کا طریقہ تو آپ کو یاد ہو گیا ہو گا مگر چونکہ ہر ماہ نئے ساتھی آنکھ مچولی کے حلقے میں شامل ہوتے رہتے ہیں اس لیے ہم شرکت کا طریقہ بھی دہرائے دیتے ہیں۔ نئے ساتھی یہ طریقہ پھر جان لیں۔ ہر سوال کا جواب اس کے ساتھ دیے گئے الفاظ میں موجود ہے۔ ہر لفظ سے ایک حرف چُنیں اور تمام حروف کو مِلا کر مطلوبہ لفظ بنا لیں۔ یہی آپ کا جواب ہو گا۔ آپ کی سہولت کے لیے اشارے کے طور سے شعر کا ایک مصرعہ بھی ہر سوال کے ساتھ لکھ دیا ہے۔ یہ مصرعہ صحیح جواب تک پہنچنے میں آپ کا مددگار ہو سکتا ہے۔

صحیح جوابات بھجوانے والے ساتھیوں میں تین کو بذریعہ قرعہ اندازی خوبصورت انعامات بھی بھجوائے جائیں گے۔

ضروری ہے کہ آپ کے جوابات ماہِ رواں کی پندرہ تاریخ تک ہمیں موصول ہو جائیں۔ جواب کے ساتھ کوپن کا آنا اس ماہ سے لازمی ہے... (ادارہ)

"جستجو شرط ہے" مقابلہ نمبر ۶

۱۔ مسلمان سائنس دانوں میں ایک محترم اور معروف نام

۱۔ فارابی ۲۔ ابنِ البیطار ۳۔ البیرونی ۴۔ ابنِ اسحٰق الوراق ۵۔ الخوارزمی ۶۔ جابر بن حیان ۷۔ رازی۔

اشارہ ملتا ہے نام آپ کا صحرا کے نام سے

۲۔ ایک باکمال اور جدید ترین ایجاد... ذرائع ابلاغ سے متعلق

۔ ٹیلی فون ۔ سٹلائیٹ ۔ ٹیلکس ۔ وائرلیس

اشارہ نئی ایجاد ہے یہ، یہاں رکھ دو وہاں پہ جا کے لے لو۔

۳۔ دنیا کے معروف ترین فرضی کرداروں میں سے ایک... ممکن ہی نہیں کہ آپ نہ جانتے ہوں۔

۱۔ فینٹم ۲۔ بائیونک وومین ۳۔ سپرمین ۴۔ جیمز بانڈ ۵۔ سکس ملین ڈالر مین۔

اشارہ طاقت میں یہ سب سے بڑھ کر رہتا ہے یہ جنگل میں

۴۔ اپنے دور کی مشہور گھڑی، عہدِ جدید کی مشہور گھڑیوں میں تلاش کریں۔

۱۔ کیسیو ۲۔ اوریینٹ ۳۔ ٹائمکس ۴۔ سیٹیزن

اشارہ کمی میں تھوڑا اضافہ کرو تو بات بنے

۵۔ ایک مشہور امریکی ریاست کا نام امریکہ کی دوسری ریاستوں میں دیکھیں۔

۱۔ نیویارک ۲۔ منی سوٹا ۳۔ کیرولینا ۴۔ مسسپی ۵۔ فلوریڈا ۶۔ مکسیکو ۷۔ اورلینز ۸۔ کنیٹکی ۹۔ مشی گن ۱۰۔ الاسکا۔

اشارہ اک "چار" کا ہندسہ آتا ہے اس نام کے بیچوں بیچ۔

۶۔ مشہور عالمی مقتولین میں ایک معروف نام

۱۔ شاہ فیصل ۲۔ کینیڈی ۳۔ انوارالسادات ۴۔ مجیب الرحمٰن ۵۔ لیاقت علی خان

اشارہ جنھیں سمجھا محافظ وہ دشمن جان کے تھے۔

۷۔ پاکستان ٹیلی وژن کا مشہور ڈرامہ سیریل، اسے دوسرے مشہور ڈراموں میں تلاش کریں۔

۱۔ دیواریں ۲۔ ان کہی ۳۔ جنگل ۴۔ خدا کی بستی ۵۔ رشتہ زوری

اشارہ گھر کے دروازے سے اس کو ایک تعلق رہتا ہے۔

۸، مسلمانوں کے مختلف ادوارِ حکومت میں سے ایک عہد... اِسے تاریخ میں کس عہد کے نام سے یادر کھا گیا ہے۔
۱، عباسی ۲، غلاماں ۳، غزنوی ۴، خلجی
اشارہ یہ دورِ رُشد و ہدایت سے ایسا دُور نہیں۔
۹، انڈور گیمز میں ایک گیم... ممکن ہے یہ پاکستان میں کم کھیلا جاتا ہو۔
۱، باسکٹ بال ۲، ٹیبل ٹینس ۳، کیرم بورڈ ۴، شطرنج ۵ بیڈ منٹن۔
اشارہ بلّی نے ایک "برڈ" کو منہ میں دبا لیا۔
۱۰، مشہور دارالخلافہ کا نام دیگر دارالخلافوں میں تلاش کیجیے۔
۱، کراچی ۲، ڈھاکہ ۳، واشنگٹن ۴، ماسکو ۵، بنکاک ۶، لنڈن ۷، بون
اشارہ ٹافیوں سے نہیں کوئی نسبت، کھٹ مٹھوں سے مگر بعید نہیں۔

جوابات، ماہ اپریل ۱۹۸۹ء

۱، مچھلیوں میں ایک مچھلی "ڈولفن"
۲، کاروں میں ایک کار "فراری"
۳، پاکستان کی تاریخ میں خصوصی اہمیت کا حامل طیارہ "ڈیکوٹا" اس طیارے میں قائدِاعظم پاکستان تشریف لائے۔
۴، سیاحت کی مشہور جگہ "ڈزنی لینڈ"
۵، سکّوں میں سکّہ "لیرا" اٹلی کا سکّہ ہے۔
۶، اجرامِ فلکی کا ایک نام "دُبِّ اکبر"
۷، معدنیات میں ایک معدن "جپسم"
۸، حکمرانوں میں ایک حکمران "جارج بُش" امریکی صدر
۹، سائنسدانوں میں ایک سائنس دان "نیوٹن"
۱۰، ناولوں میں ایک ناول "خاک و خون" مصنّف نسیم حجازی۔

کراچی

محمد کامران، گلشنِ مصطفےٰ
محمد عاطف، گلشنِ مصطفےٰ
محمد شہریار، گلشنِ مصطفےٰ
آفرین نسیم، گلشنِ مصطفےٰ
سید محمد نسیم نقوی، نارتھ کراچی
الیس ماجدہ خاتون، بفر زون نارتھ کراچی
سید واصف عباس جعفری، گلشنِ اقبال
محمد مدثر شریف، ناظم آباد
محمد مزمل شریف، ناظم آباد
صباحت حبیب، منگھو پیر
فواد آفتاب، ساؤتھ کراچی
محمد عمر فواد، سعود آباد
عمر آفتاب، ساؤتھ کراچی

شازیہ جمیل، ساؤتھ کراچی
رضوان جمیل، ساؤتھ کراچی
رضا علی وکیل، فیڈرل بی ایریا۔
کامران رسول، لیاقت آباد
امیر بانو، گلشن اقبال
سید ذلیشان عباس، گلشن اقبال
کرن جعفری، گلشنِ اقبال
شارق شمیم، آگرہ تاج کالونی
سیدہ عائشہ شبلی، نارتھ کراچی
ناصر حسین خادم، اسٹیل ٹاؤن
منیرا جبین، لانڈھی کالونی
ساجدہ نقوی، بفرزون نارتھ کراچی
سید علی محمد نقوی، بفرزون نارتھ کراچی
عنبرین گلزار، برنس روڈ
ثوبیہ آفتاب، ساؤتھ کراچی

نارشس گلزار، برنس روڈ
سنبل گل گلزار علی، برنس روڈ
صدف جمیل، ساؤتھ کراچی
نوید جمیل، ساؤتھ کراچی

متفرق شہر

مرزا توصیف بیگ، شاہی بازار حیدر آباد
شہلا صدیق، ٹنڈو آدم
ندیم اشرف، ٹنڈو جام
روبی، میر پور خاص
صنوبر یز اختر۔ میر پور خاص
سمیعہ ناز، ضلع جھنگ
فیصل احمد عباسی، جھنگ صدر
اکمل حسین، بہاولپور
مطہر عبید خان، بہاولپور
محمد احسن، ملتان

سعدیہ رانی، ملتان
محمد محسن انصاری، ملتان
محمد شفیق، ملتان
نجیب علی، لاہور
عمر شہزاد عباسی، لاہور
مطاہر صدیقی، لاہور
محمد علی، لاہور
حمیرا اقبال، لاہور
جہانگیر افسر، راولپنڈی
عاصم سلیم، راولپنڈی
تنویر افسر، راولپنڈی
غزالہ روحی، سیالکوٹ
مسعود الرحمٰن، جہلم
علی رضا، آزاد کشمیر
جنید احمد، اسلام آباد

عیدی کس کو ملی؟

ہم نے گذشتہ شمارے میں آنکھ مچولی کے قارئین کو عیدی دینے کا اعلان کیا تھا۔ اعلان کے جواب میں ہمیں اپنے بے شمار قارئین کے خطوط موصول ہوئے ان خطوط میں اکثر قارئین نے کلام مجید اور معلوماتی کتب کی عیدی لینے کی فرمائش کی ہے۔ کچھ قارئین نے دعاؤں، نیک تمناؤں اور اس کی عیدی حاصل کرنے کی آرزو ظاہر کی، جن قارئین نے دعاؤں اور نیک تمناؤں کی عیدی کی خواہش کی ہے۔ امید ہے ہماری دعائیں اور نیک تمنائیں ان تک پہنچ گئی ہونگی۔ البتہ اس انتہائی مہنگائی کے باعث ہماری قوتِ خرید سے باہر ہے۔ چنانچہ اس چاہنے والوں سے اس کے قیام کی دعا کے ساتھ معذرت۔ البتہ جن قارئین نے کلام مجید کی عیدی کی تمنا کی، ہم ان قارئین کے ناموں میں سے قرعہ اندازی کے ذریعہ اسلام آباد کے **طارق نعیم** کو قرآنِ حکیم کی عیدی روانہ کر رہے ہیں باقی بینکڑوں خطوط میں سے قرعہ اندازی کے ذریعے پانچ قارئین کو قرآنی حکایات پر مبنی کتاب "رہنما" ارسال کی جا رہی ہے۔ (ادارہ)

Everyone loves to eat

mayfair Toffees and Sweets

■ Milk Bon Bon ■ Orange Candies.
■ Coconut Candies. ■ Deluxe Toffees ■ Assorted Candies.
■ Tattoo Toffees ■ Honey Candies.

And now another
offer from the house of Mayfair

Milka Chew
Fruta Chew
Minta Chew

***mayfair* Bubble**

You will love it because it is the only juicy bubble that makes

big big Bubbles.

mayfair The Sweet Favourites.

AFI Asian Food Industries (Private) Limited.
Shernaz House, West Wharf Road, Karachi, Pakistan.
Phones: 201612, 201617 Cable: BON BON Telex: 25482 AFI PK

ADARTS

AFI 1/86

نفرت سے نفرت کیجیے

ساجد سعید

خوشگوار زندگی گزارنے کا عمدہ نسخہ

فرض کیجیے آپ صبح سویرے اُٹھے اور اسکول جانے کے لیے گھر سے نکلے، کچھ ہی دُور چلنے کے بعد آپ کا کوئی محلہ یا اسکول کا دوست مل گیا۔ آپ نے اس کا حال پوچھا۔

اُس نے جواب میں تیزی سے ٹھیک ہوں کہا اور آگے نکل گیا اور آپ غصّے میں پیچ وتاب کھا کے رہ گئے۔

پھر آپ بس میں چڑھے، بس میں تل دھرنے کی جگہ نہیں، یکایک ایک صاحب پیچھے سے آئے اور آپ کو دھکا دیتے ہوئے آگے نکل گئے اور آپ کا خون کھول اُٹھا۔ قسمت کی خرابی دیکھئے کہ جس بس میں آپ سوار ہوئے، اُس نے آپ کو اسکول پہنچانے میں دیر کر دی۔ کلاس میں داخل ہوئے تو سر کی غضبناک نگاہوں

نے آپ کا استقبال کیا" دیر کیوں ہوئی"؟ بھلا اس سوال کا آپ کے پاس کیا جواب ہے۔ اگر آپ دیر سے آنے کی وجہ بتانا شروع کرتے ہیں تو استادِ محترم کہہ دیں گے کہ زیادہ بہانے نہ بناؤ۔ لہٰذا آپ چُپ چاپ کلاس میں چلے گئے اور اپنی سیٹ پر براجمان ہوگئے۔ آپ کا دل کم از کم آج کی پڑھائی سے تو اچاٹ ہوچکا۔ کلاس ٹیچر نے سبق پڑھا کر سوالات پوچھے تو آپ کو غصّے کی وجہ سے کچھ یاد ہی نہیں کہ آپ کو کیا پڑھایا گیا ہے؛ لیجیے اس کی سزا آپ کو الگ بھگتنی پڑی۔

ابھی آدھا دن بھی نہیں گزرا آپ کی طبیعت بدمزہ اور چڑچڑی ہوگئی اور سارا دن خیالوں ہی خیالوں میں ان لوگوں کی خیالی گھونسوں سے گوشمالی کرنے میں گزر گیا جو آپ کے لیے پریشانیوں کا باعث ہے۔ کبھی کبھی یہ چھوٹے چھوٹے واقعات اتنے تکلیف دہ ہوجاتے ہیں کہ آپ کا دل چاہتا ہے کہ دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر جنگل و بیابان میں نکل جائیں تاکہ ایسے لوگوں سے پھر واسطہ نہ پڑے اور یہ بھی آپ کی مجبوری ہے کہ آپ دنیا چھوڑ نہیں سکتے اگر کسی پر غصّے کا اظہار کریں تو بات لڑائی تک پہنچ سکتی ہے اور اگر نفرت کو برداشت کرنے کی کوشش کریں تو اندر ہی اندر گھلنے لگیں گے۔

تو پھر ان پریشانیوں سے، غصّے، جھنجھلاہٹ اور چڑچڑے پن سے بچنے کا راستہ کیا ہے؟ دوستو! ہم آپ کو ان مسائل سے نمٹنے کا صحیح اور آسان حل بتاتے ہیں۔ یاد رکھیے پیار محبت اور ہمدردی سے یہ مسائل بہت کم ہو سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر صبح کو اسکول جاتے وقت جو دوست آپ کو ملا اور جس نے بڑی بے دلی سے آپ کے سلام کا جواب دیا تھا۔ ممکن ہے وہ کسی پریشانی یا تکلیف میں مبتلا ہو، جس کی وجہ سے اُس نے آپ کے سوال کا جواب بے دلی سے دیا۔ اس طرح بس میں جو آدمی آپ کو دھکّا دیتے ہوئے آگے نکل گیا تھا۔ وہ تہذیب و شائستگی سے ناواقف کوئی ایسا شخص ہو جسے بس میں سفر کرنے کے آداب سے کوئی واقفیت نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے اس سے غلطی سے ایسا ہو گیا ہو۔ غرضیکہ ہر واقعے کے پیچھے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے۔ جب آپ اس سبب سے واقف ہوجاتے ہیں تو آپ کا آدھا غصّہ تو ویسے ہی ختم ہو جاتا ہے، لیکن اگر ایسے حالات سے آپ کا واسطہ پڑتا ہے جس میں قصوروار آپ خود ہیں تو کوشش کیجیے کہ "میں معذرت خواہ ہوں"، "مہربانی کرکے"، "شاید غلطی میری تھی" جیسے الفاظ سے معاملے کو رفع دفع کرنے کی کوشش کیجیے۔ آپ دیکھیں گے کہ عام حالات میں مخاطب آپ کے اخلاق سے متاثر ہوجائے گا اور آپ سے خود معذرت کرے گا۔

ماہرینِ نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان بھوک، قحط، بیماری اور جنگ سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا نفرت سے اگر آپ سے کوئی نفرت کرتا ہے، یہ احساس آپ کو پاگل کر دیتا ہے کہ آخر کیوں؟

نفرت کا جذبہ پیدا ہونے کی چند وجوہات اُوپر بیان کی گئیں۔ ان کے علاوہ بہت سے اسباب ہیں۔ لیکن جو بات یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ نفرت کے جذبے کو ہمیشہ محبت سے ختم کیا جا سکتا ہے، جو آدمی آپ سے کسی وجہ سے نفرت کا اظہار کرتا ہے ایسے شخص سے ملتے وقت آپ ہمدردی اور محبت کا برتاؤ کیجیے اور اگر ناراضگی کا سبب معلوم ہو تو یہ کوشش کیجیے اسے دور کر دیں، ضرورت ہو تو وقار سے، معذرت سے کام لیں، یہ اعلیٰ ظرفی کی نشانی ہے۔

آپ کو چاہیے کہ نفرت کو محبت سے جیتیے، یہی سب سے مضبوط طاقت ہے، ہمارے رسولؐ کا یہی ارشاد ہے کہ "تم آپس میں مصافحہ کیا کرو اور آپس میں تحفے دیا کرو، اس کی وجہ سے کینہ جاتا رہے گا۔"

حق اسکواڈ

ماہنامہ آنکھ مچولی کا
مقبول ترین سلسلۂ تحریر
اخلاق احمد کی مہماتی کہانیوں کا
دلچسپ مجموعہ
برائیوں سے برسرِپیکار
۴ کمسن مجاہدوں کے کارنامے
حسین سرورق ۔ اعلیٰ طباعت
حق اسکواڈ کے حصول کے لیے
دس روپے کے
ڈاک ٹکٹ ارسال کیجیے،

ڈاک ٹکٹ ارسال کرنے کے لیے ہمارا پتہ
گرین گائیڈ اکیڈمی
ڈی، ۱۱۲ نورس روڈ، سائٹ، کراچی ۱۶

آپی آپی! آنکھ مچولی کا ایک ــــ اور قہقہہ نمبر آ رہا ہے!

ہالینڈ کی ایک کلاسیکل کہانی

غیر مطمئن گاؤں

شبینہ فاروقی

کہتے ہیں کسی زمانے میں روئے زمین پر ایک ایسا گاؤں آباد تھا جسے ہر اعتبار سے ایک مطمئن گاؤں کہلانا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ دنیا کا غیر مطمئن ترین گاؤں تھا۔ یہ گاؤں ایک خوبصورت وادی کے دامن میں آباد تھا۔ گاؤں کے چاروں طرف بلند و بالا پہاڑ اس کے فطری محافظ کے طور پر موجود تھے۔ گاؤں کی زمین نہایت زرخیز اور لوگ نہایت محنتی و جفاکش تھے یہ گاؤں ایک تجارتی منڈی کے طور پر بھی دُور دُور تک مشہور تھا۔ مگر یہ گاؤں پھر بھی ایک دُکھی گاؤں تھا، کیوں کہ اس گاؤں میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں تھا جو مطمئن ہو۔ گاؤں کا ہر شخص اپنے آپ کو نہ صرف یہ کہ مصیبت زدہ سمجھتا تھا بلکہ اس کا یقین تھا کہ اس کی مصیبت گاؤں کے دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ بڑی ہے۔

گاؤں کے لوگ جب بھی کہیں ایک جگہ اکٹھے ہوتے، کبھی خوشگوار چیزوں کے بارے میں گفتگو نہ کرتے... مثلاً یہ کہ اس سال اُن کی فصل بہت اچھی ہوئی۔ آج موسم بہت خوشگوار ہے۔ یا اُن کے ہاں کسی پیارے سے بچے کی ولادت ہوئی ہے وغیرہ۔ نہیں... وہ جب بھی ملتے صرف اپنے سنگین مسائل کے بارے میں باتیں کرتے مثلاً ایک کہتا۔

"آ... ہا... میرے جیسا بدنصیب شخص شاید ہی دنیا میں کوئی اور ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے مصیبت نے میرا

ہی گھر دیکھ لیا ہے۔ پچ.... پچ...."

دوسرا کہتا..."ارے... تم مصیبت کے بارے میں جانتے ہی کیا ہو... اصل مصیبت میں تو میں ہوں..."

کہتے ہیں جہاں دھواں ہوتا ہے، وہاں لازماً آگ بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا ممکن ہے گاؤں کے لوگوں کی ایسی باتوں کی کوئی وجہ ہو...

آئیے... دیکھتے ہیں۔

یہ اس گاؤں کے ایک کارخانے کا مالک ہے۔ یہ ہر سال منافع کے طور پر ہزاروں روپے کماتا ہے، اسے کسی قسم کی کوئی مالی پریشانی لاحق نہیں۔ یہ اپنے سیاہ وسفید کا مالک ہے۔ لیکن کیا یہ خوش ہے؟

جی نہیں... وجہ؟ یہ غیر شادی شدہ ہے۔

"آہا... ہا... میری بھی کیا زندگی ہے..."

"اصل مزے میں تو بیکری والا ہے۔ وہ جب شام کو کام سے گھر لوٹتا ہے تو اسے صاف ستھرا گھر ملتا ہے۔ اور گرم گرم کھانا... شادی شدہ جو ہوا... اسے بھلا کیا معلوم مصیبت کیا ہوتی ہے؟" کارخانے کا مالک سرگوشیاں کرتا۔

تو کیا بیکری والا واقعتاً خوش ہے۔ جی نہیں... مگر کیوں؟ اس لیے کہ اس کے کوئی اولاد نہیں... وہ اکثر بڑبڑاتا...

"بھلا اولاد کے بغیر بھی زندگی کوئی زندگی ہے... ہائے! جب میں بوڑھا ہو جاؤں گا تو میری دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہوگا..."

"دنیا بھی کیسی بے انصاف جگہ ہے...! میری کوئی اولاد نہیں... اور بڑھئی کے یہاں چھ بچے ہیں۔"

تو کیا بڑھئی خوش ہے..؟ جی نہیں... وجہ؟!... کیوں کہ اس کے ہاں بہت سارے بچے ہیں۔ وہ دن بھر کام کرتے ہوئے بڑبڑاتا رہتا۔

"میں تو عذاب میں مبتلا ہوں، دوسرے لوگوں کے بچے سرکنڈوں کی طرح تیزی سے بڑھ کر کام کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور پھر کما کر لاتے ہیں۔ مگر میرے بچے تو جیسے بڑھتے ہی نہیں۔ چھ میں سے دو تو ابھی تک پالنے میں ہی پڑے رہتے ہیں... آہ...! میرے جتنا بدنصیب شاید ہی دنیا میں کوئی ہو!"

تو کیا گاؤں میں جن لوگوں کے بچے بڑے ہیں، وہ لوگ خوش ہیں... نہیں... مگر کیوں؟ آئیے دیکھتے ہیں۔

یہ گاؤں کا ایک درزی ہے، اس کا ایک نہایت ہی چست وچالاک لڑکا ہے۔ یہ لڑکا نہایت عالم فاضل ہے، اللہ نے اس کو نہایت تخلیقی ذہن دیا ہے۔ مگر درزی اکثر ہائے ہائے کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"یہ عالم فاضل لوگ بھلا کس کام کے ؟ دنیا میں کس کے پاس اتنا وقت ہے کہ وہ ان کی دانش ورانہ باتیں سُنے میرا بیٹا تو بالکل ہی ناکارہ ہے، ہر وقت پڑھتا اور سوچتا رہتا ہے۔۔۔ اے خدا ! تونے اگر مجھے ایک ہی اولاد دینی تھی تو کباڑی کے بیٹے کی طرح کی دی ہوتی، جو ہر وقت پیسے کمانے کے چکّر میں لگا رہتا ہے۔ یا پھر اُس بوڑھی بیوہ عورت کی بیٹی کی طرح کوئی خوبصورت سی لڑکی دی ہوتی۔۔۔ جو کسی مالدار گھر میں بیاہ کر جائے گی اور گھر بھر کو مزے میں رکھے گی"

لیکن مزے کی بات یہ کہ کباڑی بھی اپنے بیٹے سے خوش نہ تھا۔ کیوں کہ اُس کا بیٹا دولت کے چکّر میں کچھ ایسا پڑا تھا کہ اُسے کسی دوسری چیز کی پرواہ ہی نہ تھی۔ اسی طرح وہ بوڑھی بیوہ بھی اپنی بیٹی سے ناخوش تھی۔ کیونکہ وہ کسی امیر آدمی سے شادی کرنے کے بجائے درزی کے عالم فاضل لڑکے سے شادی کرنا چاہتی تھی۔

گویا معاملہ کچھ یُوں تھا کہ جو لوگ آوارہ گردی کرتے تھے وہ لوگ کام کرنے اور پیسہ کمانے والوں سے جلتے تھے، اور کام کرکے پیسہ کمانے والے لوگ آوارہ گردی کرنے والوں سے جلتے تھے۔۔۔ نوجوان بڑھاپے کے آجانے کے خوف سے پریشان رہتے اور بوڑھے نوجوانی کے چلے جانے پر کُڑھتے رہتے، یہاں تک کہ اگر گاؤں کے کسی شخص کے پاس بے اطمینانی کی کوئی خاص وجہ نہیں ہوتی تھی تو وہ سرگرمی کے ساتھ اس وجہ کو تلاش کرتا تھا۔

سو گاؤں والوں کی بے اطمینانی دن بہ دن بڑھتی گئی اور پھر ایک دن اُن کی ہائے ہائے اور دبی دبی سرگوشیاں گہری دُھند میں تبدیل ہوگئیں۔۔۔ یہ دُھند بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھی کہ اُس نے سورج کو چھُپا لیا۔ گاؤں کے تمام لوگ چونکہ اپنے کاموں میں حد درجہ مشغول رہتے تھے، اس لیے ابتداً تو کسی نے اس دھند کی طرف توجہ نہ دی مگر جب کئی گھنٹے تک دھوپ نظر نہ آئی تو گاؤں کے تمام لوگ پریشان ہوگئے۔

"یقیناً۔۔۔ ہم سب لوگ بدقسمت ہیں"

"اور تو اور۔۔۔ اب تو سورج بھی ہم سے روٹھ گیا ہے" اُن سب نے اکٹھے ہوکر کہا۔

انہی دنوں جب کہ دُھند نے پورے گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا، ایک اجنبی مسافر گاؤں میں آیا۔ چونکہ بہت دنوں سے گاؤں میں اندھیرا چھایا ہوا تھا اس لیے کسی شخص کو گاؤں میں کسی مسافر کے آنے کی توقع نہ تھی۔ گاؤں کے لوگوں کو مسافر سے پہلے مسافر کے گانے کی آواز نے اپنی جانب متوجہ کیا۔۔۔ وہ گا رہا تھا

ہے ہے ہو، ہے ہے ہو۔ زندگی مسرّت ہے۔ اطمینان حکمت ہے

آدمی کا ہر شکوہ۔ اک بڑی حماقت ہے

گاؤں کے لوگ گانے کی آواز سُن کر گاؤں کے بیچ میں جمع ہوگئے۔ تاکہ دیکھ سکیں کہ زندگی کے بارے میں

اس طرح کی انوکھی باتیں کرنے والا کون ہے ؟ دھیرے دھیرے دھند سے ایک لمبے قد کا شخص برآمد ہوا - یہ ادھیڑ عمر کا ایک شخص تھا - اُس نے جو لباس پہنا ہوا تھا وہ نہ تو بہت اچھا تھا اور نہ بہت بُرا ... اس کے کاندھے سے ایک پھولا ہوا سا تھیلا لٹکا ہوا تھا جس میں معلوم نہیں کیا بھرا ہُوا تھا - وہ شخص آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا لوگوں کے سامنے آکر رُک گیا - اور اُس نے اپنا تھیلا اُتار کر رکھ دیا -

"مبارک ہو" وہ شخص گاؤں کے لوگوں سے مخاطب ہوا -

" معاف کیجیے گا میرے دوستو ! میں نے آپ کو صبح بخیر یا شام بخیر نہیں کہا - اب دیکھیے نا اس دھند میں میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اس وقت یہاں صبح ہے یا شام "

"سورج دنیا چھوڑ کر چلا گیا ہے" گاؤں کے ایک شخص نے کہا ' پھر اسی شخص نے تلخ لہجے میں اجنبی مسافر سے پوچھا -

"آپ کے اس مسرت بھرے گیت کی کوئی چھوٹی سی وجہ ؟"

اجنبی مُسکرا دیا - "دُنیا میں اس وقت بھی سورج کہیں نہ کہیں چمک رہا ہے - یہاں سے جیسے ہی دُھند چھٹے گی آپ بھی یقیناً سورج کو دیکھ سکیں گے "

گاؤں والوں نے اجنبی کو مشکوک نظروں سے گھورا کیوں کہ اُس کی باتیں اُن کے لیے ناپسندیدہ تھیں -

"تم ہو کون ؟" یکایک ایک گاؤں والے نے پوچھا -

"میں !" اجنبی نے اپنے کاندھوں کو اچکاتے ہوئے کہا -

"میں کوئی نہیں ہوں - اور ہر کوئی ہوں - اگرچہ میں ایک بے گھر مسافر ہوں لیکن یہ ساری زمین میرا گھر ہے "

" احمق انسان !" ایک اور گاؤں والے نے تبصرہ کیا -

" لگتا ہے مصیبت نے تمہارا دماغی توازن بگاڑ دیا ہے " کسی دوسرے نے رائے دی -

"مصیبت ... ؟ صاحب یہ تو ایک ایسا لفظ ہے جس سے میں واقف ہی نہیں !" اجنبی نے گاؤں کے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا -

وہاں موجود تمام لوگ اجنبی کے قریب کِھسک آئے اور اُسے بڑے غور سے دیکھنے لگے -

"کیا تم بیمار ہو ؟" کئی لوگوں نے تعجّب سے اُس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا - پھر ایک شخص نے کہا -

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ تم مصیبت کے لفظ سے واقف نہیں ہو جبکہ تمہارا نہ گھر ہے نہ بال بچّے - زمین پر بلا تکان آوارہ گردی کرتے رہنے سے بھی تمہارا اطمینان والا فلسفہ برآمد نہیں ہوتا - یہ سب باتیں تو ایک ہی چیز کی

نشاندہی کرتی ہیں اور وہ ہے مصیبت .. آخر سفر سے تھکے ہوئے تمہارے یہ پاؤں بھی تو ایک مصیبت ہی ہیں"
گاؤں والا فلسفیانہ انداز میں بولتا چلا گیا۔

"خیر پہلی بات تو یہ کہ میرے خیال میں چونکہ دنیا میں ہر بیماری کا علاج موجود ہے ۔اس لیے دنیا میں کوئی بیماری، بیماری نہیں ہے۔۔۔اب جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ میرے تھکے ہوئے پیر مصیبت ہیں تو اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ ان پیروں کے اوپر جتنا ممکن ہو کم وزن ڈالنا چاہیے ۔یہ کہہ کر اجنبی ایک پیڑ کی چھاؤں میں جا بیٹھا۔

گاؤں کے لوگ اُسے گھیر کر کھڑے ہو گئے اور حیرت سے کھلے منہ لیے اُسے دیکھنے لگے ۔اجنبی خاموشی اور اطمینان کے ساتھ پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھا رہا ۔ کچھ دیر بعد گاؤں کے ایک شخص نے اُسے گھورتے ہوئے اُس سے پوچھا۔

"چونکہ تم نے بہت سفر کیا ہے اور دنیا دیکھی ہے اس لیے ممکن ہے تم نے "دھند" کے علاج کے بارے میں بھی سُنا ہو"

"ہاں شاید!" اجنبی نے کہا، پھر وہ کھڑا ہو گیا اور اپنی ناک کو ہاتھ سے اوپر نیچے کیا، پھر اُس نے کتے کی طرح دُھند کو سونگھا ۔پھر اُس نے اپنی زبان باہر نکالی ۔دُھند کو چکھا اور بُرا سا منہ بنا کر بولا ۔

"یہ کوئی عام دُھند نہیں ہے کیونکہ اس کا ذائقہ بڑا عجیب سا ہے ۔آپ تو جانتے ہی ہیں کہ دھند ایک بھاپ ہے ۔اور بھاپ پانی ... لیکن پانی کی نہ تو کوئی خوشبو ہوتی ہے اور نہ ہی ذائقہ ۔ تاہم اس دُھند میں بُو بھی ہے اور ذائقہ بھی۔ چنانچہ میرا خیال ہے کہ یہ کوئی خاص قسم کی دُھند ہے جو کچھ ناپسندیدہ وجوہات کی بناء پر وجود میں آئی ہے اگر مجھے اس دُھند کے وجود میں آنے کی وجوہات معلوم ہو جائیں تو یقیناً میں اس کا علاج کر سکوں گا"

اجنبی کی بات سُن کر درزی بولا" مگر ہمیں دھند چھانے کی وجوہات کا علم نہیں کیوں کہ سورج اچانک ہی غائب ہو گیا تھا ۔یہ کچھ دنوں پہلے کی بات ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اُن دنوں میں کتنا ناخوش تھا ۔ کیونکہ ..."

"مجھے بھی وہ دن اچھی طرح یاد ہے ۔" بڑھئی نے درزی کی بات کاٹتے ہوئے کہا" ان دنوں میں نے اپنی مصیبتوں کا دوسرے لوگوں کی مصیبتوں سے موازنہ کیا تھا تو مجھے معلوم ہوا تھا کہ دوسروں کی مصیبتیں میری مصیبتوں کے مقابلے میں کس قدر چھوٹی ہیں ۔اُن دنوں ۔۔۔" بڑھئی نے بھی اتنا ہی کہا تھا کہ کباڑیے نے اُس کی بات کاٹ کر اپنی بات شروع کر دی ۔کباڑیہ اپنی بات مکمل نہیں کر پایا تھا کہ ایک اور شخص نے اُس کی بات کاٹ کر اپنی بات شروع کر دی اور یوں تھوڑی ہی دیر میں وہاں موجود تمام لوگ زور زور سے چیختے ہوئے بولنے لگے ۔

اُن لوگوں کی آوازیں جیسے جیسے بلند ہوتی گئیں ویسے ویسے دھند اور بھی گہری ہوتی چلی گئی۔

"خاموش!" اجنبی ان لوگوں سے تنگ آکر پکار اُٹھا۔

"آپ سب لوگ خاموش ہوجائیے! دُھند کی وجوہات کا پتہ چلانے کے لیے حضرت سلیمان کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس دھند کا کہیں نہ کہیں کوئی علاج ضرور موجود ہے۔" اجنبی نے کہا۔

"تمہارے خیال میں اس دُھند کا کیا علاج ہے؟" بوڑھی بیوہ نے آگے بڑھ کر اجنبی سے پوچھا۔

"بہت آسان" اجنبی نے کہا۔ "بشرطیکہ آپ سب لوگ میری ہدایات کو غور سے سنیں اور اُن پر پوری طرح عمل کریں۔"

سب لوگوں نے خاموشی کے ساتھ اجنبی کی ہدایات سننے اور اُن پر عمل کرنے کے لیے اپنے سروں کو ہاں میں ہلایا۔ اجنبی ایک مرتبہ پھر پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھ گیا۔

چند لمحوں بعد اجنبی لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

"اچھا اب آپ لوگ ایسا کیجئے کہ قطار بنا کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیے اور اپنی مصیبتوں کو بوریوں میں بھر لیجیے۔"

"دنیا میں کوئی بوری ایسی نہیں ہے جس میں میری مصیبتیں سما سکیں۔" بڑھئی نے چلّا کر کہا۔

"نہ ہی میری مصیبتیں کسی بوری میں سما سکتی ہیں۔" بوڑھی بیوہ نے کہا۔

"نہ ہی میری۔" درزی دہاڑا۔

اور پھر وہاں موجود سب لوگ زور زور سے چلّانے لگے۔

"دیکھیں اگر آپ میری ہدایات سُن کر اُن پر عمل نہیں کریں گے تو یہ دُھند اور گہری ہوجائے گی۔"

اور واقعی دھند اب پہلے سے زیادہ گہری ہوگئی تھی۔

"خیر... ہم کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے۔ اب تم ہمیں دھند کا علاج بتاؤ۔" لوگ کچھ ڈر کر بولے۔

اجنبی پھر زمین پر بیٹھ گیا۔ اور بولا۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ آپ سب لوگ قطار بنا کر اپنے اپنے گھر جائیں اور اپنی اپنی مصیبتوں کو بوری میں بھر لیں۔ جب آپ اپنی مصیبتیں بوری میں بھر لیں تو اُس بوری کو لے کر بازار میں آجائیں اور ایک لمبی سی رسّی باندھ کر اُن بوریوں کو اُس میں لٹکا دیں۔ اس کے بعد آپ سب بوریوں سے کچھ دُور ہوکر کھڑے

ہوجائیں اور میرے اشارے کا انتظار کریں۔

میرا اشارہ ملتے ہی آپ سب لوگ آگے بڑھ کر جس بوری کو چاہیں رسّی سے اُتار لیں۔ میرا یقین ہے کہ جب تک آپ لوگ شکایات کرنا نہیں چھوڑیں گے یہ دھند نہیں چھٹے گی۔"

سب لوگ خوش ہو گئے اُن کی آنکھیں چمکنے لگیں اور خیالات اُن کے ذہن میں تیزی کے ساتھ گردش کرنے لگے۔ آپ یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ اُس وقت اُن کے خیالات کیا ہوں گے؟

ہر شخص سوچ رہا تھا کہ وہ اپنے موقع ملتے ہی پڑوسی کی بوری اُٹھائے گا اور یوں اپنی زیادہ مصیبتوں سے نجات پائے گا۔ اس وقت ہر شخص یہ سوچ کر ڈر رہا تھا کہ کہیں اُس کا یہ خیال اُس کے پڑوسی کو معلوم نہ ہو جائے۔

اجنبی درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور گاؤں والوں کو قطار بنا کر گھروں کو جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔۔۔

تھوڑی دیر بعد تمام لوگ اپنی کمروں پر مصیبتوں بھری بوریاں لادے بازار کے درمیان میں موجود تھے۔ سب نے اپنی بوریاں بازار میں ٹنگی رسّی سے لٹکا دیں، پھر وہ بوریوں سے کچھ دُور ہو کر کھڑے ہو گئے۔

اجنبی درخت سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھا رہا۔ ہر نگاہ اُس پر لگی تھی کہ وہ کب اشارہ کرتا ہے۔ مگر اجنبی نے کوئی اشارہ نہ کیا۔

کچھ وقت گزر گیا مگر اجنبی نے کوئی اشارہ نہ کیا۔

پھر کچھ اور وقت گزر گیا اور اجنبی خاموش بیٹھا رہا۔ بالآخر لوگوں نے اجنبی پر سے اپنی نظریں ہٹا کر ٹنگی ہوئی بوریوں کی قطار پر جما دیں۔ ہر شخص اپنی بوری کا دوسرے کی بوری سے موازنہ کر رہا تھا۔ ہر شخص کو اپنی بوری دوسرے کی بوری سے بڑی اور بھاری نظر آرہی تھی۔ کچھ دیر بعد لوگوں نے پھر اجنبی کی طرف دیکھا، مگر وہ اب بھی خاموش بیٹھا تھا۔

لوگ پھر بوریوں کو گھورنے لگے اور جیسے ہی انہوں نے بوریوں کو گھورنا شروع کیا، وہ سوچنے لگے اور جیسے ہی انھوں نے سوچنا شروع کیا اُن کے خیالات نے ایک نیا رُخ اختیار کر لیا۔

بڑھئی کی نظر درزی کی بوری سے ہوتی ہوئی کباڑیے کی بوری پر اور کباڑیے کی بوری پر سے ہوتی ہوئی بوڑھی بیوہ کی بوری پر جا ٹکی۔ بڑھئی نے از سرِ نو سوچنا شروع کیا۔

"یہ کیا بات ہے کہ بوڑھی بیوہ کی بوری زمین سے ملی ہوئی ہے اور اُس کی اپنی بوری ہوا میں جھول رہی ہے!"

بڑھئی کو یاد آیا کہ بوڑھی بیوہ کی لڑکی کئی ہفتے ہوئے، بیوہ کا گھر چھوڑ کر اپنی خالہ کے یہاں چلی گئی تھی۔ لڑکی نے جانے سے قبل اعلان کر دیا تھا کہ وہ اس وقت تک گھر نہیں آئے گی جب تک اُس کی بیوہ ماں درزی کے

نوجوان عالم فاضل لڑکے کو اپنے گھر میں آنے کی اجازت نہیں دے گی۔"

"بیچاری بوڑھی بیوہ" بڑھئی نے سوچا۔ اچانک بڑھئی کے کانوں میں اپنے بچوں کی مسرت بھری آوازیں آنے لگیں۔ اسی لمحے بڑھئی کو احساس ہُوا کہ اُس کے بچّے تو بوڑھی بیوہ کی لڑکی کی طرح نافرمان نہیں ہیں۔ لیکن کب تک؟ اُس نے سوچا۔

"آ۔ ہا" بڑھئی نے طویل سانس کھینچا اور سوچنے لگا "میرے بچّے شاید اس لیے نافرمان نہیں ہیں کہ وہ ابھی بہت چھوٹے ہیں لیکن کل جب وہ بڑے ہو جائیں گے تو وہ اپنی رائے رکھنے میں آزاد ہوں گے۔ پھر شاید وہ بھی بیوہ کی لڑکی کی طرح مجھے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ بڑھئی کو زندگی میں پہلی بار اپنا بچپن یاد آیا۔ بڑھئی نے افسوس کے ساتھ بوڑھی بیوی کی جانب دیکھا۔ بوڑھی بیوہ کی نظریں بڑھئی کی بوری پر جمی ہوئی تھیں۔ بڑھئی نے یہ دیکھا تو خوف سے کانپ کر رہ گیا۔

اسی لمحے درزی کی نظر کباڑیے کی بوری پر گئی تو اُس نے سوچا "کیا درزی کی بوری میری بوری سے زیادہ بڑی ہے"؟ اس کے ساتھ ہی اُس کے ذہن میں جنگ سے متعلق وہ افواہیں گردش کرنے لگیں جو وہ بہت دنوں سے سُن رہا تھا۔

درزی کے تصور میں اچانک کباڑیے کا بیٹا گھوم گیا۔ اُسے یاد آیا کہ کباڑیے کا کڑیل نوجوان بیٹا فوج میں شامل ہو چکا ہے اور اُس کا اپنا خوابوں کی دنیا میں مگن رہنے والا عالم فاضل بیٹا اس نے تو فوج میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا"۔ کیا کباڑیا اپنے بیٹے سے دوبارہ مل سکے گا؟" درزی نے سوچا۔ درزی کا دِل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

اُس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔

"یہ دنیا جو نفرت اور تباہی کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے اور جہاں کڑیل نوجوان مارے جا رہے ہیں ایک دن پھر سکون کی تلاش کرے گی۔ اور اُس وقت یقیناً عالم فاضل لوگ اور خوابوں کی دنیا میں رہنے والے لوگ اس دنیا کی تعمیر کریں گے کیونکہ خواب تو امید سے بنتے ہیں اور علم چیزوں کو سمجھنا سکھاتا ہے اور یقیناً سمجھ بوجھ ہی میں انسانیت کی نجات ہے" درزی نے دُکھ کے ساتھ کباڑیے کی جانب دیکھا۔ کباڑیا اُس وقت درزی کی بوری کو گھور رہا تھا۔ درزی نے یہ دیکھا تو خوف سے تھرّا اُٹھا۔

کارخانے کا مالک اُس وقت ایک نظر اجنبی پر اور دوسری نظر بیکری والے کی بوری پر جمائے ہوئے تھا۔ اچانک اُس کے ذہن میں خیال آیا۔

"کیا بیکری والے کی بوری میری بوری سے بڑی ہے" اور پھر وہ سوچنے لگا۔

"میں نے آج تک کبھی بیکری والے کو چائے خانے میں شام کی چائے پیتے نہیں دیکھا۔ سنا ہے اُس کی بیوی سخت مزاج ہے۔ بیچارہ بیکری والا وہ تو اپنی روح کو بھی اپنا نہیں کہہ سکتا"۔ کارخانے کے مالک نے افسوس کے ساتھ بیکری والے کی جانب دیکھا۔

مگر بیکری والا اُس وقت سوچ رہا تھا کہ "چھوٹے بچے چھوٹی مصیبت ہیں اور بڑے بچے بڑی مصیبتیں اور بیوی تو ہر وقت کی مصیبت ہے" چنانچہ بیکری والے نے کارخانے کے مالک کو افسوس بھری نظر کا نوٹس نہ لیا وہ اس وقت کارخانے کے مالک کی بوری کو گھور رہا تھا۔ کارخانے کے مالک نے یہ دیکھا تو خوف سے کانپ اٹھا۔

اور یوں اُس وقت ہر شخص لالچی نظروں سے اپنے پڑوسی کی بوری کو دیکھ رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے پڑوسی کی بوری اُس کی بوری سے بڑی ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی وہ اطمینان کے ساتھ اپنی بوری کی جانب دیکھنے لگتا تھا۔ ہر دل بے چینی کے ساتھ اجنبی کے اشارے کا انتظار کر رہا تھا۔

جیسے جیسے وہاں موجود لوگوں کے دل دُکھ، ہمدردی اور اطمینان سے بھرتے گئے۔ ویسے ویسے گاؤں پر چھائی دھند چھٹنے لگی۔ ہَوا صاف اور خوشگوار ہوگئی اور آسمان پر چودھویں کا چاند چمکنے لگا۔ ہر طرف نور بکھر گیا۔ پھر رفتہ رفتہ چاند چاندی کے جہاز کی مانند آسمان میں تیرتا ہوا مغرب میں غائب ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد مشرق میں پہاڑوں کی اوٹ سے ہلکی روشنی برآمد ہونے لگی۔ کچھ وقت اور گزرا اور پھر سونے کی طرح چمکتا ہوا سورج پہاڑوں کی اوٹ سے نکل آیا۔ جیسے ہی سورج نظر آیا اجنبی اُٹھ کھڑا ہُوا۔

تمام لوگ سورج کو دیکھ کر خوشی سے جھوم اُٹھے۔ انہوں نے محسوس کیا دھند چھٹ چکی ہے۔ سب نے خوشگوار ہَوا میں لمبی لمبی سانسیں لیں اور اپنے من ہی من میں طے کیا کہ وہ اب کبھی اِس خوشگوار ہَوا کو ننگا ہوں سے آلودہ نہیں کریں گے۔

یکایک سب کو خیال آیا کہ اجنبی نے ابھی تک کوئی اشارہ تو کیا ہی نہیں۔ انہوں نے بے تابی کے ساتھ اجنبی کی جانب دیکھا جو اپنا تھیلا کاندھے پر لٹکا چکا تھا۔

"دوڑو" اجنبی نے تیز لہجے میں کہا۔

اجنبی کا اشارہ مِلتے ہی تمام لوگ گولی کی تیزی کے ساتھ بوریوں کی جانب دوڑے۔ ہر شخص نے آگے بڑھ کر اپنی بوری اُٹھائی۔

اپنی بوری اُٹھا کر ہر شخص کو محسوس ہُوا کہ اُس کی بوری تو بہت ہی ہلکی پُھلکی ہے۔ ہر شخص اپنی بوری کو دوبارہ پا کر خوش تھا۔

جب سب لوگ اپنی بوریاں اُٹھا چکے تو انھوں نے شکریہ ادا کرنے کے لیے درخت کے نیچے موجود اجنبی کی طرف دیکھا۔ مگر... درخت کے نیچے اجنبی موجود نہیں تھا۔ چند لمحوں بعد ہَوا کے دوش پر تیرتی ہوئی اجنبی کی آواز اُن کے کانوں تک پہنچنے لگی۔ وہ گا رہا تھا۔

ہے ہے ہو، ہے ہے ہو
زندگی مسرّت ہے ۔ اطمینان حکمت ہے
آدمی کا ہر شکوہ ۔ اک بڑی حماقت ہے۔

فضاؤں میں آنکھ مچولی

کبھی ہوائی سفر کا اتفاق ہو اور حُسنِ اتفاق سے یہ سفر پی آئی اے کے کسی خوبصورت طیارے کے ذریعے ہو تو آپ یہ بات مت بھُولیے کہ اس جہاز میں آپ کا پسندیدہ ماہنامہ آنکھ مچولی بھی آپ کا ہم سفر ہے۔ آپ دورانِ سفر مطالعے کے لیے فضائی میزبانوں سے آنکھ مچولی طلب کر سکتے ہیں۔

گھر ہو یا سفر آپ کا ہم سفر "آنکھ مچولی"

سائنس اِنکوائری

سائنسی موضوعات پر آپ کے

سوالات، ہمارے جوابات

نیر ابدالی

● الکومیٹر کس کام آتا ہے؟ (لیاقت حسین شرافت حسین، سمن آباد، لاہور۔ عالیہ رفیق۔ ممتاز احمد، ملتان)

الکومیٹر ALCOMETER سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ آیا کسی شخص نے شراب پی رکھی ہے یا نہیں۔ اس کو اُردو میں "الکحل پیما" بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں ایک نلکی لگی ہوتی ہے، جس کو منہ سے پھونک ماری جاتی ہے۔ سانس کے دباؤ سے نلکی میں لگی سیٹی بجنے لگتی ہے۔ یہ سانس ایک والو VALVE سے ہوتی ہوئی ایک الگ خانے میں چلی جاتی ہے جس میں آیوڈین پینٹا کسائیڈ کا محلول ہوتا ہے۔ اس محلول سے مل کر شراب یعنی الکحل آیوڈین گیس کی شکل میں آزاد ہو جاتی ہے۔ اس آیوڈین کو نشاستہ کے محلول میں داخل کرنے پر محلول کا رنگ بنفشی ہو جاتا ہے۔ رنگ کی اس تبدیلی کا اثر ایک فوٹو الیکٹرک بیٹری پر پڑتا ہے۔ اس طرح مشین کے باہر ڈائل پر لگی سوئی خون میں الکحل کی مقدار کو ظاہر کر دیتی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں ٹریفک پولیس اس آلے کو استعمال کرتی ہے۔ کسی بھی حادثے کے رُونما ہونے کے بعد اس آلے کی مدد سے بڑی آسانی سے یہ پتا چل جاتا ہے کہ ڈرائیونگ کے دوران ڈرائیور شراب پیئے ہوئے ہے یا نہیں۔

● درجۂ حرارت ناپنے کے لیے "فارن ہائیٹ" کی اصطلاح کا پس منظر کیا ہے؟ (بشیر الدین۔ نظیر الدین حفیظ الدین۔ میرپور آزاد کشمیر)

یہ لفظ جرمنی کے ایک سائنس دان جبریل دانیا فارن ہائیٹ کے نام کی وجہ سے وجود میں آیا۔ وہ ۱۶۸۶ء میں پیدا ہُوا اور ۱۷۳۶ء میں اُس کا انتقال ہُوا۔ اُس نے تھرمامیٹر کو بہتر صورت بخشی۔ اور اس میں پارے کا استعمال شروع کیا۔ اسی وجہ سے "فارن ہائیٹ" تھرمامیٹر مشہور ہُوا۔

● غشی کا علاج کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ (ریحانہ سرور۔ نعمانہ سرور۔ میاں احمد سرور، اسلام آباد)

اگر آپ محسوس کریں کہ آپ کو غشی کا دورہ

پڑنے والا ہے تو فرش پر بیٹھ کر اپنا سر اپنے گھٹنوں میں دے لیں۔ یا اتنا نیچا کر لیں جتنا آپ سے ممکن ہو سکے۔ کرُسی پر نہ بیٹھیں کیونکہ گرنے کی صورت میں چوٹ لگنے کا اندیشہ ہے۔ اپنی قوتِ ارادی کو مضبوط رکھیں اور دل ہی دِل میں یہ کہیں کہ آپ بے ہوش نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اگر آپ دیکھیں کہ کسی کو غشی کا دورہ پڑ گیا ہے تو فوری طور پر اس کے گریبان کو ڈھیلا کر دیں۔ اس کے گرد لوگوں کی بھیڑ نہ لگنے دیں۔ مریض کے چہرے پر پنکھا جھلیں۔ اُس کے چہرے پر ٹھنڈا پانی چھڑکیں۔ ہوش میں

آنے پر مریض کو ٹھنڈا پانی پلائیں اور آرام سے لیٹے رہنے دیں۔ غشی سے بچنے کا آسان طریقہ تو یہ ہے کہ آپ اپنی خوراک متوازن رکھیں۔ مناسب ورزش کریں اور تازہ ہوا میں سانس لیں۔

● کلوواٹ سے کیا مراد ہے؟ (خواجہ نسیم حیدر ہارون رشید، قصبہ کالونی، کراچی، عائشہ خورشید نارتھ کراچی، کراچی۔ فاطمہ زہرہ، نصیر آباد، کراچی۔)

کلوواٹ KILOWATT برقی قوت ناپنے کا ایک پیمانہ ہے۔ یہ ایک ہزار واٹ WATT کے برابر ہوتا ہے۔ برقی طاقت کا ایک یونٹ واٹ ہوتا ہے۔

● سیارہ پلوٹو PLUTU سورج سے کتنے فاصلے پر واقع ہے؟ (ابرار حسین، ارشاد حسین جھنگ سعید الرحمٰن ڈار، آصف مرتضیٰ۔ بہاولپور۔)

پلوٹو، نظامِ شمسی کا سب سے دُور سیارہ ہے۔ یہ سورج سے تقریباً ۳، ارب ۷۰، لاکھ میل دُور واقع ہے۔ یہ سورج کے گرد اپنا چکر تقریباً ڈھائی سو برس میں مکمل کرتا ہے۔ پلوٹو کا ۱۹۳۰ء میں ایریزونا میں لاوِل کی رسد گاہ میں پرسی وِل لاوِل نے سب سے پہلے مشاہدہ کیا۔

● کیا آپ ہمیں پلاٹینم دھات کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟ (سیما عبدالودود، حیدرآباد۔۔۔ شبانہ افروز، سکھر۔ عبدالحیٔ لاڑکانہ)

جی ہاں! کیوں نہیں! پلاٹینم سفید رنگ کی ایک قیمتی دھات کا نام ہے۔ یہ سب سے زیادہ وزنی دھات بھی ہے۔ اس کی دریافت دو سو برس قبل ہوئی۔ پلاٹینم کو دندان سازی، زیورات اور سائنسی آلات میں بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ پلاٹینم نہایت کم مقدار میں دستیاب ہونے کی وجہ سے بھی نہایت قیمتی دھات شمار ہوتا ہے۔ یہ روس میں کوہِ یورال، جنوبی افریقہ اور اونٹاریو کینیڈا سے

نکالا جاتا ہے۔

● **پستول کب اور کہاں ایجاد کیا گیا؟**

(عبدالغفار، شمیم احمد قادری، ناظم آباد، کراچی
محمد علی قریشی، عارف حسین، ملیر، کراچی)

اٹلی کے شہر پسٹوایا PISTOIA میں ۱۵۴۰ء میں پستول ایجاد کیا گیا۔ بعد میں یہ ہتھیار انگلستان سے ہوتا ہوا جرمنی پہنچا۔ اب یہ ہتھیار پوری دنیا میں عام ہے۔ چونکہ یہ ایک خطرناک ہتھیار ہے۔ اس لیے اس کو رکھنے کے لیے لائسنس لینا پڑتا ہے۔ بغیر لائسنس اسے رکھنا فوجداری جرم ہے۔

● **پٹ سن JUTE کسے کہتے ہیں؟**

(علیم الدین، مبشر علی، سلیم الطاف، خیر پور۔
نگار بانو، آسیہ سحر، بفر زون، کراچی)

یہ ایک ریشہ دار دھاگہ ہوتا ہے جس سے بوریوں اور تھیلے وغیرہ تیار کیے جاتے ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ یعنی ۹۹ فیصد پٹ سن بنگال آسام اور دریائے گنگا کی وادیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کا پودا زمین سے ۱۰ فٹ اونچا ہوتا ہے۔ جسے کاٹ کر پہلے پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ بعد میں اسے کوٹ کر اس کے اندر سے پٹ سن کے ریشے نکال لیے جاتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ دنیا کی ہر قسم کی تجارت کا اس پر دارومدار ہے...

● **پتی کیوں اچھلتی ہے اور اسے کس طرح روکا جاسکتا ہے؟** (سید زوار حسین شاہ۔ لاہور۔
عنایت علی، ساہیوال)

پتی اچھلنا NETTLERASH دراصل جلد کی ایک قسم کی سوجن ہے۔ یہ عام طور پر خارش سے شروع ہوتی ہے۔ جس کا بڑا سبب انفیکشن یعنی چھوت ہے۔ بعض اوقات انتہائی گرمی کے موسم میں بھی جسم پر پتی اچھل آتی ہے، گیلے کپڑوں کو پہن لینے سے بھی جسم پر پتی نکل آتی ہے... حتی الامکان کوشش اس بات کی ہونی چاہیے کہ مریض اپنے جسم کو بار بار ناخنوں سے کھجانے کی کوشش نہ کرے، بلکہ پہلی فرصت میں اسے کسی ڈاکٹر کو دکھائیں۔ تاکہ بروقت علاج ہو سکے۔

● **مجھے پارے MERCURY کے بارے میں مختصر معلومات درکار ہیں** (آصف محمود اعوان
مقبول ادیب انجم، زاہد اختر، ملتان۔)

یہ ایک سفید اور چمک دار دھات کا نام ہے۔ یہ پانی سے ساڑھے تین گنا بھاری ہوتا ہے۔ یہ نہایت کار آمد اور قیمتی دھات ہے۔ اس کے مرکبات زہریلے ہوتے ہیں۔ اسے جلد کی بیماریوں میں دوا بنانے، تھرمامیٹر اور بیرومیٹر میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ گرمی محسوس کرکے پھیلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پارے کی کثافت اضافی زیادہ ہوتی ہے۔

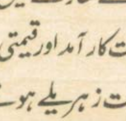

پاکستان بھر میں آنکھ مچولی کے نیوز ایجنٹ

علم وادب کے فروغ میں جو ادارے "آنکھ مچولی" سے تعاون کر رہے ہیں، ان کی تعداد بے شمار ہے اس صفحے پر ہم صرف اُن بڑے ایجنٹس کی فہرست دے رہے ہیں، جن کی کوششوں سے ماہنامہ آنکھ مچولی پاکستان کے دُور دراز علاقوں تک بڑی تعداد میں پہنچتا ہے۔

محمد حسین برادرز۔ کراچی	فون:۔ ۷۲۳۹۵۵
سلطان نیوز ایجنسی۔ لاہور	فون:۔ ۵۸۲۴۹
ملک تاج محمد صاحب۔ راولپنڈی	فون:۔ ۵۵۴۳۲۱ / ۸۴۷۹۸۶
مہران نیوز ایجنسی۔ حیدر آباد	فون:۔ ۲-۱۲۸
افضل نیوز ایجنسی۔ چوک یادگار۔ پشاور	فون:۔ ۶۲۵۱۵ / ۶۲۷۵۱
اے ایس حامد نیوز پیپر ٹریڈرس۔ ملتان	فون:۔ ۴۳۳۱۰ / ۴۱۷۵۷
فیاض بک ڈپو۔ فیصل آباد	فون:۔ ۲۷۴۰۶
ایم ایم ٹریڈرز۔ کوئٹہ	فون:۔ ۷۵۰۰۲
ملک اینڈ سنز۔ سیالکوٹ	فون:۔ ۸۷۹۸۹

سعید بک اسٹال۔ گجرات	فون:۔ ۴۳۳۱
پاکستان اسٹینڈرڈ بک اسٹال۔ سرگودھا	فون:۔ ۶۲۹۵۱
کیپٹل نیوز ایجنسی۔ بہاولپور	فون:۔ ۲۹۵۷
طاہر نیوز ایجنسی۔ جہلم	فون:۔ ۵۹۴۱
چوہدری امانت علی اینڈ سنز۔ رحیم یار خان	فون:۔ ۲۶۲۶
وہاڑی نیوز ایجنسی۔ ریل بازار۔ وہاڑی	
اسلم نیوز ایجنسی۔ اخبار گھر۔ گوجرانوالہ	
اشرف نیوز ایجنسی۔ بالمقابل جی ٹی ایس بس اسٹینڈ۔ اوکاڑہ	
نیا مکتبہ اردو۔ جی ٹی روڈ۔ سرائے عالمگیر	

سلمان برادرز۔ نوابشاہ	فون:۔ ۴۴۱۴

رسالہ نہ پہنچنے کی صورت میں یا بروقت نہ ملنے پر مندرجہ ذیل پتے پر خط لکھیے!

سرکولیشن مینجر۔ ماہنامہ "آنکھ مچولی" ڈی ۱۱۲۔ نورل روڈ۔ سائٹ۔ کراچی ۱۶

عظیم سراغرساں

اعجاز احمد

اس بچّے کی سرگزشت جو شرلاک ہومز بننا چاہتا تھا۔

یاسر ایک بہت بڑا سراغرساں تھا۔ شرلاک ہومز سے بھی بڑا۔ کرنل فریدی سے بھی بڑا۔ اور عمران سے بھی بڑا۔ یا کم از کم یاسر کا اپنے متعلق یہ خیال تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اُس میں صرف ایک خرابی ہے کہ وہ ابھی

چھوٹا ہے اور عملی میدان میں نہیں اُترا۔ ورنہ وہ اتنی تیزی سے کیس حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے کہ جب وہ میدانِ عمل میں کُود ے گا تو اُس کے مُلک میں کوئی مجرم نہ رہے گا۔ جرائم کی بیخ کنی ہو جائے گی اور پولیس کے محکمے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ پولیس ملازمین کو کوئی اور نوکری ڈھونڈنی پڑے گی اور یہ سوچ کر اُسے بعض اوقات پولیس ملازمین پر ترس بھی آجاتا کہ بہت جلد وہ پولیس والوں کی روزی پر لات مارنے والا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ جب وہ بطورِ سراغرساں اپنا کیریئر شروع کرے گا تو جلد ہی سراغرسانی کے عالمی ادارے انگلینڈ کا سکاٹ لینڈ یارڈ۔ فرانس کا سورِٹ اور امریکہ کا ایف۔بی۔آئی۔ سب اُسے جُھک کر خراجِ تحسین پیش کریں گے۔ دولت مند لوگ اُسے پیچیدہ کیس حل کرانے کے عوض بھاری فیس ادا کیا کریں گے۔ اُس کا ایک شاندار آفس ہو گا۔ ایک کار ہوگی۔ ایک سکریٹری ہوگی۔ کئی ماتحت ہوں گے.....

"یاسر" کلاس روم میں ماسٹر عطا صاحب کی آواز گونجی۔

اور یاسر اپنی خیالی دُنیا سے باہر نکل آیا۔

"او بے وقوف تم کس سوچ میں ڈوبے ہو؟" ماسٹر عطا نے اپنا لیکچر ادھورا چھوڑا اور یاسر کی ملامت شروع کر دی....

"ایک یہ بھی خرابی ہے" یاسر نے سوچا اور تو اور اُس کے اُستاد بھی ابھی اُس کی عظمت کو نہیں پہچانتے۔ لیکن ماسٹر صاحب کو اُس کی سراغرسانی کی صلاحیت سے زیادہ اُس کے سکول کی تعلیم سے دلچسپی تھی وہ جانتے تھے کہ یاسر دسویں جماعت میں پہنچ گیا ہے۔ اگر اُس نے پڑھائی میں دلچسپی نہ لی تو وہ فیل ہو جائے گا۔ وہ فیل ہو گیا تو اسکول کا رزلٹ خراب ہو گا۔ اسکول کا رزلٹ خراب ہوا تو ماسٹر صاحب کی ترقی نہ ہو گی۔

یاسر کی بدقسمتی کہ ماسٹر صاحب چل کر اُس کے پاس آ گئے اور انہوں نے وہ کتاب بھی دیکھ لی جو یاسر صاحب سائنس کے گھنٹے میں پڑھ رہے تھے۔

"پُراسرار قاتل"

ماسٹر صاحب نے کتاب اُوپر اُٹھائی اور لڑکوں کو دکھائی۔

"سائنس کا مضمون پاس کرنے کا نیا طریقہ۔ جاسوسی کتابیں پڑھیے" ماسٹر صاحب نے یاسر کا مذاق اُڑایا۔

عامر۔ نومی۔ شانی۔ کاشف۔ جبران سب کِھلکھلا کر ہنس دیے اور یاسر کو بہت ندامت ہوئی۔

"یہ سب مجرم ہیں۔ چور ہیں۔ فراڈی ہیں" یاسر نے غصّے سے اپنے اِردگرد بیٹھے ہوئے ہم جماعتوں کو گھورتے ہوئے سوچا۔

"یہ سب میری سراغرسانی کی صلاحیتوں کی بنا پر مجھ سے حسد کرتے ہیں اور جلتے ہیں۔"

"اچھا تو عظیم سراغرساں صاحب بتائیے اگر ہائیڈروجن اور آکسیجن گیسوں کو ملایا جائے تو کیا بنتا ہے؟" ماسٹر صاحب نے یاسر سے سوال کیا۔

"یہ آج مجھے شرمندہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔" یاسر نے سوچا "ورنہ ایک عظیم سراغرساں سے اتنے معمولی سوال پوچھنے کی کیا تک ہے؟"

یاسر نے اُس سوال کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ ماسٹر صاحب نے ایک اور طنزیہ جُملہ کسا اور ساری جماعت کھلکھلا کر ہنس دی۔

"بچو! تمہارا تو میں جلد ہی بندوبست کروں گا۔" یاسر نے دِل ہی دِل میں اپنے کلاس کے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے دِل میں کہا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب مستقبل میں مجرم بننے والے ہیں اور ان سب کو پکڑنے کی ذمے داری بالآخر اُسے ہی اُٹھانی پڑے گی۔

لیکن ماسٹر عطا صاحب یاسر کے خیالات پڑھنے کے قابل نہیں تھے اور وہ وہی چیز جانتے تھے جو اُن کے سامنے تھی اور اُسی کے مطابق وہ عمل کیا کرتے تھے۔

"یاسر تم ایک سو مرتبہ لکھو کہ "آئندہ میں جماعت میں جاسوسی ناول نہیں پڑھوں گا" اور کل نو بجے مجھے دکھاؤ۔۔۔ ماسٹر صاحب تو یہ نادر شاہی حکم نازل کرکے دوسرے کاموں میں مشغول ہو گئے اور یاسر صاحب سوچنے لگے کہ ماسٹر صاحب بھی بے ذوق ہی ہیں کہ جو ایک اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل سراغرساں کا وقت ایک فقرہ لکھنے میں ضائع کرانا چاہتے ہیں۔

یاسر کو اپنی صلاحیتوں پر بہت ناز تھا، لیکن مصیبت یہ تھی کہ اُس کے ماسٹر صاحب ہی نہیں اُس کے دوسرے ہم جماعت دوست بھی اُس کی صلاحیتوں کو نہیں مانتے تھے بلکہ وہ تو یہاں تک زیادتی کرتے تھے کہ یاسر صاحب کو بے وقوف اور شیخی خورہ سمجھتے تھے۔ اور یاسر صاحب کے سراغرساں ہونے کے دعوؤں سے کچھ کچھ تنگ بھی تھے۔

"یار اس یاسر کے بچے کا کچھ کرنا چاہیے۔" ایک دن نومی نے کہا۔

"کیا مطلب؟" عامر، شانی، جبران اور کاشف نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے۔ اُسے کوئی کیس حل کرنے کے لیے دینا چاہیے۔" نومی نے شرارت سے مُسکراتے ہوئے کہا اور پھر اُس نے ساری اسکیم دوسرے دوستوں کو بتائی۔ سب دوستوں نے ہنستے ہوئے اُس کی تائید کی۔

تفریح کے وقت۔ نومی۔ عامر۔ شانی۔ جبران اور کاشف، یاسر کے نزدیک آکر بیٹھ گئے۔

"آہستہ آہستہ باتیں کرو۔ کہیں عظیم سراغرساں یاسر نہ سن لے۔" نومی نے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہا۔

اور یاسر صاحب نے اپنے کان کھڑے کر لیے ۔ کہ سُنیں وہ کیا راز کی باتیں کر رہے ہیں ۔

"اوہ نہیں بھائی یہاں نہیں ۔ کہیں اور چل کر یہ بات کرتے ہیں " کاشف نے رائے دی ۔

اور وہ سب اُٹھ کر ایک کمرے کی طرف چل دیے ۔ انہوں نے کن انکھیوں سے دیکھا ۔ یاسر صاحب اُن کے پیچھے پیچھے اس طرح آرہے تھے کہ اُنہیں احساس نہ ہو کہ وہ اُن کا پیچھا کر رہے ہیں ۔

نومی ۔ عامر ۔ شانی ۔ جبران ۔ کاشف ایک کمرے میں داخل ہو گئے اور یاسر صاحب چابی کے سوراخ سے کان لگا کر اُن کی باتیں سُننے لگے ۔

"ہمیں اُس کمرے کو آگ لگا دینی چاہیے جس میں انعامات کے کپ وغیرہ رکھے ہیں ۔ کتنے خوبصورت کپ، کتابیں اور تحائف ہیں ۔ ہزاروں روپے مالیت کے ۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ ان میں سے کچھ بھی ہمارے لیے نہیں، ہم نے بھی کھیلوں میں حصّہ لیا تھا لیکن ہمیں کوئی انعام کیوں نہیں ملا ؟"

نومی بڑے جوشیلے انداز میں تقریر کر رہا تھا ۔ اور باقی سب اُس کی تائید میں سر ہلا رہے تھے ۔

"اور ہمیں یہ سب کچھ انعامات تقسیم کرنے کے لیے منعقد ہونے والی تقریب کے دن سے پہلے ہی کرنا چاہیے" کاشف نے کہا ۔

"اور ہمیں یہ بھی کوشش کرنی چاہیے کہ اس منصوبے کی بھنک یاسر کے کان میں نہ پڑے ۔ ورنہ وہ ہمیں یہ منصوبہ پروان نہیں چڑھانے دے گا " جبران نے رائے دی ۔

اور پھر پیشتر اس کے کہ وہ کوئی اور بات سُنتا عامر نے گلاس سے پانی چابی کے سوراخ کی طرف پھینکا ۔ پانی یاسر کے کان میں پڑا اور اُسے دروازے سے ایک طرف ہٹنا پڑا ۔ اُس کے بعد یاسر نے بڑی کوشش کی، لیکن وہ مزید کچھ نہ سُن سکا ۔ یاسر کمرے کے ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا ۔ تھوڑی دیر بعد اُن مجرموں کی کانفرنس ختم ہو گئی اور وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے ۔ اُن کے جاتے ہی یاسر اُس کمرے میں داخل ہو گیا اور اِدھر اُدھر گھوم پھر کر کمرے کا جائزہ لینے لگا ۔

"ابھی ابھی یہاں ایک بہت بڑی سازش پروان چڑھی ہے ۔ مجھے اُس کا سُراغ ڈھونڈنا چاہیے " یاسر نے اپنے آپ سے کہا اور پھر وہ سوچنے لگا کہ ایسے موقعوں پر دوسرے بڑے سراغرساں شرلاک ہومز وغیرہ سازش کا کیسے سراغ لگاتے ہیں ....

"مجھے ردّی کی ٹوکری دیکھنی چاہیے " اُس نے سوچا ۔

اور پھر بیچ مچ اُسے ردّی کی ٹوکری سے کچھ لکھے ہوئے کاغذات مل گئے ۔ اُس نے سب کاغذات اپنی پتلون

کی جیبوں میں ٹھونسے اور اپنی کلاس کی طرف چل دیا۔ تفریح کا وقت ختم ہو گیا۔ سب طالب علم اپنی جماعت میں پہنچ گئے
اُس نے دیکھا کہ سب سازشی ہنستے مُسکراتے جماعت کے کمرے میں داخل ہو رہے ہیں۔

"چالاک مجرموں تمہارے ہنسنے مُسکرانے کے بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں" یاسر نے مسکراتے ہوئے سوچا۔
یاسر نے گھر جاتے ہی ردّی کی ٹوکری سے ملے ہوئے کاغذات کا معائنہ کیا۔ اُسے ساری سازش کی تفصیل مل گئی۔
چند دنوں کے بعد اس کے اسکول میں ایک تقریب منعقد ہونی تھی۔ سالانہ کھیلوں کے مقابلے جیتنے والوں کو انعامات ملنے تھے۔ نومی اور اس کے دوستوں کو کوئی انعام نہیں ملا تھا۔ وہ انعامی تحفوں کو جلانا چاہتے تھے۔ یہ انعامی کپ وغیرہ اسکول کے ایک کمرے میں پڑے تھے۔ یہ کمرہ اسکول کی اصل عمارت سے تھوڑی دُور اسٹور روم کے ساتھ بنا ہوا تھا۔ مجرموں کی سازش تھی کہ کمرے میں پٹرول چھڑک کر کمرے کو آگ لگا دی جائے۔ یاسر نے سوچا کہ پرسوں انعامات تقسیم کرنے کی تقریب منعقد ہونی ہے۔ اس کا مطلب ہے مجرم کل ہی آگ لگانے کی واردات کریں گے۔ یہ سوچ کر یاسر کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اُسے خطرناک مجرموں کو پکڑنے کا ایک سنہری موقع حاصل ہونے والا تھا۔ اُس نے مجرموں کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کی تیاری شروع کی۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ اُس کے پاس کوئی پستول نہیں تھا۔ آخر سراغرسانوں کے پاس پستول تو ہونا ہی چاہیے۔ اُسے یاد آیا کہ اُس کے چھوٹے بھائی کا ایک کھلونا پستول ہے۔ لیکن اُس پستول میں ایک خرابی تھی۔ اس پستول کا سائز بڑا تھا اور وہ پستول یاسر اپنی پتلون کی پشت کی جیب میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ اُس نے ایک تھیلا لیا اور پستول اُس میں رکھ لیا۔

"کوئی بات نہیں میں یہ تھیلا لٹکا کر اسکول جاؤں گا" یاسر نے سوچا۔

رات بھر اُسے مجرموں کے پکڑنے کے خواب آتے رہے۔ سارے اسکول نے اُسے شاباش دی۔ ماسٹر عطا صاحب بھی اُس کی صلاحیتوں کے معترف ہو گئے۔ پورے قصبے میں اُس کے کارنامے کی دھوم مچ گئی۔ اخباری رپورٹر اس کے انٹرویو لینے آئے۔ اخبارات میں اُس کی تصویریں چھپیں۔

خدا خدا کر کے صبح ہوئی اُس نے ایک کندھے پر بستہ اور دوسرے کندھے پر پستول والا تھیلا لٹکایا اور اسکول روانہ ہو گیا۔ اس کے بہت سے دوستوں نے پوچھا بھی کہ یاسر تھیلے میں کیا ہے؟ لیکن اُس نے اُنہیں کچھ بتانا مناسب نہ سمجھا۔ "بس کچھ ہے" وہ سب کو جواب دیتا رہا۔

جب باقاعدہ پڑھائی شروع ہوئی تو اُس نے دیکھا سب سازشی مجرم اکٹھے کلاس روم میں داخل ہوئے ہیں۔ یاسر سمجھ گیا کہ خطرناک مجرم اپنا منصوبہ مکمل کر چکے ہیں۔ اُس نے سوچا کہ اُسے اُن پر نظر رکھنی چاہیے۔ وہ سارا دن اُن پر نظریں جمائے رہا۔ اُس کا خیال تھا کہ تفریح کی گھنٹی میں وہ اپنا مذموم منصوبہ پروان چڑھائیں گے۔ تفریح کے پیریڈ

میں وہ کچھ فاصلہ چھوڑ کر اُن کے پیچھے پیچھے رہا۔ ہو سکتا ہے اُنہوں نے اسٹور روم کی طرف جانے کی کوشش بھی کی ہو، لیکن عظیم سراغرساں یاسر کے ڈر سے اُن کو جرأت نہ ہوئی ہو۔ تفریح کا پیریڈ خیریت سے گزر گیا۔ وہ سب دوبارہ کلاس روم میں آگئے۔ "اب یہ کلاس روم سے کھسک کر اپنا کام کریں گے" یاسر نے سوچا۔ وہ تن کر تیار ہو کر بیٹھ گیا۔ اُس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ اگر اُن مجرموں میں سے کوئی ایک دو بھی کلاس سے کھسکے تو وہ بھی کسی نہ کسی بہانے اُن کے پیچھے جائے گا۔ اُس نے اپنی سیٹ کے نیچے اپنے تھیلے کو ٹٹولا۔ تھیلا موجود تھا اور تھیلے میں پستول بھی موجود تھا۔ پستول کو چھُو کر اُس کا حوصلہ بڑھا "مجرموں کو کیا پتا کہ پستول اصلی ہے یا نقلی۔ میں اسی نقلی پستول سے اُنہیں خوفزدہ کر دوں گا" یاسر نے سوچا۔

لیکن چھٹّی تک کوئی مجرم جماعت سے باہر نہ نکلا۔ تاہم وہ آنکھوں اور ہاتھوں سے ایک دوسرے کو اشارے کرتے رہے۔ یاسر سمجھ گیا کہ چھٹّی کے بعد وہ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں۔ چھٹّی ہوئی تو وہ ایک دوسرے کو اشارے کرتے ہوئے کلاس روم سے باہر نکلے۔

"مجھے تھوڑی دیر ٹھہر کر اُٹھنا چاہیے۔ تاکہ اُنہیں تعاقب کا شُبہ نہ ہو اور انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ سکوں" یاسر نے سوچا۔ کچھ دیر بعد جب کلاس روم سے باہر نکلا تو اُس نے دیکھا کہ عامر اور شانی باہر برآمدے میں کھڑے تھے۔ لیکن نومی اور کاشف غائب تھے۔ یاسر کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اُس نے اپنے کندھے سے لٹکے ہوئے تھیلے کو ٹٹولا۔ پستول تھیلے میں موجود تھا۔ وہ ایک حقارت آمیز نگاہ عامر اور شانی پر ڈالتا ہوا اسٹور روم کی طرف چل دیا۔

وہ جب اسٹور روم کے ساتھ والے کمرے کے باہر پہنچا تو اُس کمرے کا تالہ کھُلا ہُوا تھا جس میں قیمتی انعام رکھے ہوئے تھے۔

"مجرم تالہ کھول کر کمرے میں داخل ہو چکے ہیں اور وہ اب آگ لگانے کی تیاریاں کر رہے ہیں" یاسر نے سوچا۔ یاسر کی رگوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگا۔ شدّتِ جذبات سے اُس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اُس نے اپنا بستہ اور تھیلا دروازے کے پاس رکھا۔ تھیلے سے پستول نکالا، پستول ہاتھ میں پکڑا اور عظیم سراغرسانوں کی طرح پاؤں کی زور دار ٹھوکر سے دروازہ کھولا۔

"خبردار اپنے ہاتھ اوپر اُٹھا لو" یاسر کمرے میں داخل ہوتے ہی زور سے بولا۔ دونوں مجرم کمرے میں موجود تھے۔ انہوں نے اپنے چہروں پر نقاب اوڑھ رکھے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں پیٹرول کی شیشی اور ماچس کے بجائے تھیلے تھے۔ اور وہ انعامی کپ وغیرہ تھیلوں میں ڈال رہے تھے۔

دونوں مجرموں نے ہاتھ اوپر اُٹھا لیے اور یاسر اُن پر اپنا پستول تانے کھڑا تھا۔

"میں نے تم جیسے مجرموں کو کبھی بچ کر نہیں جانے دیا" یاسر پھُنکارا۔

جس وقت یاسر دونوں مجرموں پر پستول تانے کھڑا تھا باہر سے تیز بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز قریب آنے لگی۔ شاید یاسر کی دھاڑ کسی اور نے بھی سُن لی تھی۔

اور پھر کھُلے دروازے سے جو دو فرد کمرے میں داخل ہوئے انہیں دیکھ کر یاسر حیران رہ گیا۔ آنے والے کاشف اور نومی تھے۔

"اگر کاشف اور نومی اب آرہے ہیں تو یہ نقاب پوش کون ہیں؟" یاسر سوچنے لگا۔

اور صورتِ حال کو دیکھ کر اور سمجھ کر عظیم سراغرساں یاسر کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔

کاشف اور نومی کے ساتھ ہی کئی اور طالب علم اور اُستاد بھی کمرے میں داخل ہو گئے۔ اُن سب نے مل کر نقاب پوشوں پر قابو پا لیا۔ اُن کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ دیے گئے۔ اُن کے چہروں سے نقاب اُتارے گئے تو وہ کوئی اجنبی نکلے۔ اسکول کے پرنسپل صاحب نے پولیس اسٹیشن فون کر دیا تھا۔ فوری طور پر ایک انسپکٹر اور تین کانسٹیبل موقعے پر پہنچ گئے تھے۔

پولیس انسپکٹر نے آتے ہی اجنبیوں کو پہچان لیا تھا۔ دونوں لڑکے اُچکّے تھے اور گھروں میں چھوٹی موٹی چوریاں کرنا اُن کی عادت تھی۔ دونوں ایڈونچر کے شوقین تھے اور اس شوق میں اس قسم کی حرکتیں کیا کرتے تھے۔ لوگ اُن کے ہاتھوں سخت تنگ تھے۔ یہ گزشتہ کئی سالوں سے سارے علاقے میں وارداتیں کرتے پھر رہے تھے، لیکن کبھی رنگے ہاتھوں گرفتار نہیں ہوئے تھے۔ یہ عظیم سراغرساں یاسر ہی کا کارنامہ تھا کہ اتنے خطرناک مُجرم گرفتار ہو گئے تھے۔ اور یاسر نے جس ڈرامائی طریقے سے اُنہیں پکڑوایا تھا۔ اس کی وجہ سے اخباری نمائندوں نے اس واقعے کی خبر بنائی۔ اور فوٹوگرافروں نے تصویریں اُتاریں۔ پرنسپل صاحب نے اُسے تھپکی دی۔ ماسٹر عطا صاحب نے خوشی سے اُسے گلے لگا لیا۔ عامر، نومی شانی، جبران اور کاشف آگے بڑھے اُنہوں نے اُس کے ساتھ ہاتھ ملایا۔

"ہمیں تم پر فخر ہے یاسر۔ تم واقعی عظیم سراغرساں ہو" انہوں نے یاسر کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

"بہت بہت شکریہ میرے دوستو تم بہت اچھے ہو" یاسر نے اُن کا شکریہ ادا کیا۔

"میرا خیال ہے، نومی وغیرہ مُجرم نہیں" یاسر نے سوچا۔

اُن سب نے یاسر کی اتنی تعریف کی تھی، اب بھلا وہ اُنہیں مُجرم کیسے سمجھ سکتا تھا۔

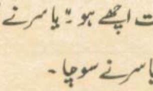

سینٹ کلاوڈ کا پُل

بہ ۔ رکاش کمار

فرانس میں دریائے سین کے کنارے ایک شہر ہے "سینٹ کلاؤڈ" اس شہر میں پہلے دریا پر کوئی پُل نہ تھا۔ جس سے لوگوں کو بہت تکلیف تھی۔ بڑی بحث و تکرار کے بعد لوگوں نے پُل بنانے کے لیے چندہ جمع کیا۔ پُل کا نقشہ تیار کیا گیا اور کام شروع ہوگیا۔ کام کرنے کی خوشی اور جلدی میں لوگ اس کے لیے دعائیں مانگنا بھی بھول گئے۔ شاید یہی بات تھی کہ دن رات محنت کرنے کے بعد بھی پُل تیار نہ ہوسکا۔ پل بنانے کے لیے دریا میں جو بانس لگائے جاتے، وہ بہہ جاتے۔ صبح سے شام تک مزدور پتھر جماتے اور صبح آکر دیکھتے کہ پتھر بکھرے پڑے ہیں۔ اسی طرح کام بگڑتا ہی گیا اور پُل تیار نہ ہوسکا۔ بڑا مستری بہت پریشان تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ سوچتے سوچتے اس کا دماغ پریشان ہوگیا۔ ایک دن اُس نے سارے نقشے اُٹھا کر پھینک دیے اور پسینہ پونچھتے ہوئے کہنے لگا: "اب یہ میرے بس کا کام نہیں۔ اسے شیطان ہی پورا کر سکے گا۔" یہ کہہ کر وہ غصے سے پیر پٹختے ہوئے چلا گیا۔

بڑے مستری کے چلے جانے کے بعد شہر کا میئر وہاں پہنچا۔ وہ بھی یہ حالت دیکھ کر بہت پریشان ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ پچھلے ہفتے سے لے کر اب تک پُل بنانے کا کام ذرا بھی آگے نہیں بڑھا ہے۔ حالانکہ مزدور دن رات لگے ہوئے ہیں۔ میئر کو بڑا افسوس ہوا۔ اور وہ بھی اسی سوچ میں گھر کی طرف جانے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک لمبا اور کالا آدمی بھی چلنے لگا۔ مگر میئر اپنے خیالوں میں ایسا کھویا ہوا تھا کہ اُسے اس آدمی کے ساتھ ساتھ چلنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد خود اس آدمی نے بات شروع کی اور میئر سے کہا: "میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں"

میئر چونکا اور بولا: "کس معاملے میں؟"

اجنبی نے کہا: "پُل کے معاملے میں"

میئر نے کہا: "کہو کیا چاہتے ہو؟ مگر جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اس کے بعد تم سے یہ امید تو نہیں کہ کوئی اچھی بات سناؤ گے"

اجنبی نے کہا: "دریا پر پُل نہیں بن رہا ہے۔ یہی بات ہے ناں؟"

میئر نے کہا: "یہ تو تم بھی جانتے ہو"

اجنبی نے کہا: "ہاں اور آپ جانتے ہیں کہ جب تک میں ہاتھ نہ لگاؤں۔ یہ پُل نہیں بن سکے گا"

"تو تم بھی کوئی مستری ہو؟" میئر نے کہا۔

اجنبی نے جواب دیا: "یہ کام مستری کے کرنے کا نہیں ہے جناب! میں شیطان ہوں اور آپ یقین کریں کہ اگر میں چاہوں تو یہ پُل جلد سے جلد بن جائے گا"

میئر یہ سُن کر بہت گھبرایا، مگر اُس نے اپنی گھبراہٹ کو ظاہر نہ ہونے دیا اور کہا۔

"شیطان صاحب! آپ اچھے وقت پر آئے ہیں۔ یہ سامنے میرا گھر ہے چلیے اندر چل کر اطمینان سے بات کریں"

گھر پہنچ کر میئر نے اپنی بیوی سے کہا: "میں ایک آدمی سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں، کمرے کے سارے دروازے اور کھڑکیاں بند کر دو اور کسی کو میرے کمرے کی طرف نہ آنے دو"

میئر کی بیوی چلی گئی تو اُس نے شیطان سے کہا: "اب ہم کھُل کر باتیں کریں گے۔ شہر کے لوگوں کے لیے یہ پُل بہت ضروری ہے۔ اس کے بغیر تجارت اور کاروبار پر بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ مگر ہماری ساری کوشش کے باوجود یہ پُل نہ بن سکا"

شیطان نے کہا: "بڑے تعجب کی بات ہے"۔
میئر بولا: "یہ پُل بنانے کے لیے تم جو مانگو، ہم دینے کو تیار ہیں۔ لوگ اس کے لیے نئے ٹیکس ادا کرنے کو بھی تیار ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ اس کام کا کتنا معاوضہ لوگے۔ تمہیں کتنا سونا دیا جائے"۔
شیطان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور کہنے لگا: "جناب سونا لے کر میں کیا کروں گا۔ میرے پاس سونے کی کیا کمی ہے، جتنا بھی چاہوں سونا بنا سکتا ہوں۔ یہ دیکھئے"۔
یہ کہہ کر شیطان نے آتشدان میں ہاتھ ڈالا۔ اور ایک بڑا دہکتا ہوا انگارا اٹھا لیا۔ میئر یہ دیکھ کر ڈر گیا اور چلّانے لگا: "بس کرو! بس کرو! مجھے یہ شعبدے نہ دکھاؤ"۔
شیطان نے کہا: "آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے"۔ اور اُس نے وہ دہکتا ہوا انگارا جو خالص سونے کی ڈلی بن گیا تھا۔ میئر کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اور میئر سے کہا: "یہ آپ رکھ لیں میرے لیے تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہے"۔
میئر نے کہا: "مگر اصل بات تو ابھی طے نہیں ہوئی۔ سونے کی تمہارے لیے کوئی اہمیت نہیں تو پھر کیا چاہیے"۔
شیطان نے کہا: "آپ سچ کہتے ہیں۔ سونا میرے لیے بیکار ہے۔ مگر میں آپ کا پُل بنا دیتا ہوں۔ ایک شرط پر۔ کہ پُل بننے کے بعد سب سے پہلے جو زندہ چیز پُل پر سے گزرے گی، میری ہوگی"۔
میئر بہت گھبرایا اور کہنے لگا: "مگر ایسی شرط ماننے کا مجھے کیا اختیار حاصل ہے؟"
شیطان نے کہا: "کیوں نہیں۔ آپ کو اختیار ہے اور پھر یہ بھی تو سوچیے کہ کام کتنا بڑا ہے۔ آگے آپ کی مرضی"۔ یہ کہہ کر شیطان جانے لگا۔ تو میئر نے کہا: "مگر تم اس کو لے کر کیا کرو گے؟"
شیطان نے کہا: "یہ میرا کام ہے آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ میں اس کا کیا کروں گا۔ اب بھی وقت ہے۔ کاغذ اور قلم آپ کے سامنے ہے، اُٹھیے اور معاہدہ لکھ ڈالیے"۔
میئر نے قلم اُٹھایا اور کہا: "بتاؤ کیا لکھوں؟"
شیطان نے عہد نامہ لکھوایا۔ عہد نامے میں لکھا گیا کہ "شیطان چھ دن کے اندر اندر پُل بنا دے گا۔ اس کے بدلے میں پل بننے کے بعد جو زندہ چیز سب سے پہلے پُل پر سے گزرے گی وہ شیطان کی ہوگی"۔
شیطان اور میئر دونوں نے کاغذ پر اپنے اپنے دستخط کیے اور شیطان وہ کاغذ لے کر چلا گیا۔
دوسرے دن شہر کے لوگوں نے دیکھا کہ پُل بڑی تیزی سے تیار ہو رہا ہے۔ وہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ میئر نے شیطان سے اپنے وعدے کی بات سب کو بتا دی اور سب کو خبردار کر دیا۔ کہ پُل بنتے ہی کوئی

بھی اس پر سے پہلے گزرنے کی کوشش نہ کرے۔

چھ دن میں پُل تیار ہو گیا۔ ساتویں دن شہر کے سب لوگ پُل کے پاس جمع ہوئے مگر کوئی بھی پُل پر جانے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ اچانک لوگوں کی نظریں پُل پر پڑیں تو سب حیرت سے چیخ اُٹھے۔ انہوں نے دیکھا کہ شہر کا میئر بڑے اطمینان سے پُل کی طرف جا رہا ہے۔

شیطان بھی پُل پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے میئر کو دیکھا تو کہا: "اس کو کہتے ہیں سچّی خدمت۔ مجھے معلوم ہے جہنم میں ایسے میئر پہلے ہی بہت ہیں مگر ایک اور سہی۔" یہ کہہ کر اُس نے اپنے بڑے بڑے ہاتھ پھیلا دیے۔ کہ میئر کو نزدیک آتے ہی پکڑ لے۔ مگر میئر نے اُس کی طرف دیکھا ہی نہیں۔ وہ یونہی آگے بڑھتا گیا اور جب ٹھیک اُس جگہ پہنچ گیا جہاں سے پُل شروع ہوتا تھا۔ تو اُس نے اپنا ہاتھ پھیلا کر زور سے ہلایا تو بڑی آستین میں سے ایک بلّی نکل کر پُل پر گری اور دوڑتی ہوئی پُل کے اس پار پہنچ گئی۔

میئر نے پکار کر کہا: "میاں شیطان! تمہاری شرط پوری ہو گئی۔ وہ دیکھو تمہاری مزدوری۔ دوڑو اس کے پیچھے ورنہ پھر ہاتھ نہیں آئے گی۔"

اس کے ساتھ ہی شہر کے گھنٹا گھر کے گھنٹے بجنے لگے اور لوگ ایک جلوس کی شکل میں ہاتھوں میں جھنڈیاں لیے خدا کی تعریف اور شکرانے گاتے پُل کی طرف بڑھے۔ شیطان اپنی شکست پر دانت پیستا رہ گیا۔ مگر وہاں سے اُسے بھاگنا ہی پڑا۔

نتائج کی پٹاری کھلنے والی ہے

ہماری دعوت پر آپ نے اپنی نگارشات ہمیں بھجوائیں۔
لاتعداد تحریروں پر، بے حد و حساب محبتوں پر

ہمارا شکریہ قبول کیجیے

یقیناً آپ کو نتائج کا بے چینی سے انتظار ہو گا۔
نتائج کے لیے جولائی کے خاص نمبر کا انتظار کیجیے

جولائی کا خاص نمبر کس موضوع پر ہو گا...

یہ پُر تجسس جواب آئندہ ماہ کے شمارے میں دیکھئے

آپ کی ڈائری کے خوبصورت گوشوں سے انتخاب

میری ڈائری

۱۷ر جنوری ۱۹۸۹ء

ایک دن میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ وینس سینما میں ایک اُردو فلم دیکھنے گیا۔ سینما کے اگلے حصے جہاں تھرڈ سے فرسٹ کے دروازے ہیں، وہاں پینے کے پانی کی مٹکی رکھی ہوئی تھی میں نے وہاں تھوک دیا۔

اچانک میری نظر اُوپر دیوار پر لکھی ہوئی ایک عبارت پر پڑی، لکھا تھا "آپ نے کسی جانور کو تھوکتے ہوئے دیکھا ہے، آپ تو اشرف المخلوقات ہیں" یہ پڑھ کر میں بہت شرمندہ ہوا اور آئندہ سے جگہ جگہ تھوکنے کی عادت سے توبہ کر لی۔ (صبغتُ اللہ پاٹولی۔ جگہ نامعلوم)

۱۲ر جنوری ۱۹۸۹ء

وقت ایک خوبصورت بے وفا پرندہ ہے۔ اگر ہاتھ سے نکل جائے تو پکڑنا ناممکن ہے، اس لیے اس کی ہمیں لازمی پابندی کرنی چاہیے۔ وقت دولت کی مانند ہے، مگر یاد رکھو تم دولت میں تو اضافہ کر سکتے ہو مگر وقت میں اضافہ نہیں کر سکتے۔ (تحریر:۔ راناشاھدالسلام شاھد آف ھزنیہ۔ ساھیوال)

۸ر جنوری ۱۹۸۹ء

آج بروز اتوار میں اپنی ڈائری کا آغاز کر رہا ہوں۔ خدا کرے کہ یہ میرے پاک اور پاکیزہ اعمال ہی سے مزیّن ہو اور میں کوئی بھی سیاہ فعل نہ کروں، جس پر بعد میں مجھے شرمندگی ہو... آج میں نے خود سے وعدہ کیا ہے کہ ہر روز کم از کم تین یا چار گھنٹے ضرور مطالعہ کروں گا۔ (ابنِ مفرّح دلؔ، مردان)

۲۲ر مارچ ۱۹۸۸ء

"اگر کسی شخص کے پاس ایک ہی روٹی ہو۔ اور خود اس کو اور اس کے بچوں کو فاقہ درپیش ہو تو وہ بچوں

کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنے کی غلطی کبھی نہیں کرے گا۔ اگر کسی مسافر کے پاس ایک ہی چھاگل پانی ہو اور اُسے صحرا کا سفر درپیش ہو تو وہ اس پانی سے پاؤں دھونے کی غلطی کبھی نہ کرے گا بلکہ اس کا ایک ایک قطرہ اپنی زندگی بچانے کے لیے محفوظ رکھے گا، لیکن حیرت ہے کہ وہی انسان جو ایک روٹی اور ایک چھاگل کے استعمال میں اتنا محتاط ہے، جب اس کے سامنے خود اس کی زندگی کا سوال آتا ہے تو وہ اس کے مصرف کے بارے میں بالکل انجان ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے حصّے میں ایک ہی زندگی آئی ہے۔ جس کے بدلے میں ہم دائمی کامیابی یا دائمی خسارہ حاصل کر سکتے ہیں۔" (مولانا امین احسن اصلاحی)

(عبدالرحیم ظفر، ٹنڈو محمد خان - ضلع حیدرآباد)

۲۷ جنوری ۱۹۸۹ء

آج جب میں صبح سویرے اُٹھا تو میرا دل بہت تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ کیوں کہ آج امتحان کے نتیجے کا اعلان ہونے والا تھا۔ ڈرتے ڈرتے اسکول پہنچا۔ میں نے پوری تندہی اور انتھک محنت کے ساتھ تمام پرچے دیے تھے اور اللہ تعالیٰ سے نماز میں دُعا بھی کی تھی کہ وہ مجھے اچھے نمبروں سے کامیاب کر دے۔ اسکول پہنچتے ہی میرے دوست نے میرے ساتھ بھونڈا مذاق کیا کہ میں فیل ہو گیا ہوں۔ مگر جب رزلٹ نکلا تو میری پہلی پوزیشن تھی۔ یہ دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور میرے منہ سے بے اختیار یہ نکلا کہ "محنت کا پھل ضرور ملتا ہے۔"

(محمد رضوان، اورنگی ٹاؤن، کراچی)

۲۷ مئی ۱۹۸۸ء

دنیا کا ہر چھوٹا بچہ صرف اپنے ماں باپ کا ہی نہیں بلکہ دُنیا کے ہر اُس آدمی کا بچّہ ہے جس کے دل میں محبت ہے۔ بچہ وہ خوش نصیب شخص ہے جو جھوٹ سے پاک ہوتا ہے اور سچائی کی مسکراہٹ خود بخود انسان کو اس کی طرف مائل کرتی ہے۔ بچہ نہ تو ماضی کے بارے میں سوچتا ہے اور نہ اُسے مستقبل کی فکر ہوتی ہے۔ وہ صرف حال سے لُطف اندوز ہوتا ہے۔ بچہ انسانیت کے نام خدا کا ایک پیغام ہے جو ابھی بنی نوع انسان سے مایوس نہیں ہوا۔

(ساجد کمالوی، کمالیہ)

۱۴ جنوری ۱۹۸۹ء

میں ایک رسالہ پڑھ رہی تھی تو میری نظر سے یہ جُملہ گزرا۔ مجھے اچھّا لگا تو میں نے اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا۔ "انسان پاگل ہے کہ وہ ایک چیونٹی یا پتنا تک تو بنا نہیں سکتا، لیکن بیسیوں خدا بنا لیتا ہے۔"

(برنارڈ شا) (لبنیٰ اسلم، موتی بازار نواب شاہ)

عقیل عباس جعفری

گنی چنی معلومات

اعداد ہماری زندگی کا جزوِ لازم ہیں ۔۔۔ ظاہری واقعات ہوں یا باطنی معاملات، یہ سب کسی نہ کسی طرح اعداد اور ہندسوں سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔

اعداد سے ہماری زندگی کے اس گہرے تعلق کی اہمیت کے پیشِ نظر ہمارے محقق ساتھی عقیل عباس جعفری نے بڑی محنت اور جانفشانی سے معلومات کا یہ انوکھا سلسلہ شروع کیا ہے جو اعداد کے گرد گھومتا ہے۔ صفر سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ دیکھیں کہاں جاکر ختم ہوتا ہے ۔۔۔ اس مفید سلسلے کو پڑھیے اور اعداد کے حوالے سے اپنی معلومات میں اضافہ کیجیے (ادارہ)

(٦١)

- انسانی جسم کا ٦١ فیصد حصہ پانی پر مشتمل ہے۔
- رچرڈ نکسن جب ١٩٧٤ء میں امریکہ کی صدارت سے مستعفی ہوئے تو ان کی عمر ٦١ برس تھی۔
- انگلستان کی مشہور آئینی دستاویز میگنا کارٹا میں ٦١ دفعات ہیں۔
- انگریزی کے مشہور ادیب جون بنیان کا انتقال اس کی عمر کے اکسٹھویں برس میں ہوا اور اس نے ٦١ کتابیں تحریر کیں۔
- دنیا کی پہلی تصویر ١٨٢٦ء میں فرانسیسی موجد جوزف نیپسے نے کھینچی۔ اس وقت ان کی عمر ٦١ برس تھی۔
- قدیم یونان کے مشہور مقرر ڈیموستھینز کی ٦١ تقاریر آج بھی محفوظ ہیں۔
- اطالوی ڈکٹیٹر بینٹو مسولینی کو ١٩٤٥ء میں قتل کیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر ٦١ برس تھی۔
- مشہور باکسر محمد علی نے اپنی پیشہ وارانہ زندگی میں ٦١ مقابلوں میں حصہ لیا اور تین مرتبہ عالمی ہیوی ویٹ باکسنگ چیمپئن بنے۔

- لبنان میں مردوں کی اور برازیل میں عورتوں کی اوسط عمر ۶۱ / برس ہے۔

(۶۲)

- حجۃ الوداع کے موقع پر حضورؐ کی عمر مبارک ۶۲ / برس ۹ / ماہ تھی۔
- ٹیسٹ کرکٹ میں پاکستان کا ایک اننگ کا کم سے کم اسکور ۶۲ / رنز ہے۔ جو ۸۲ - ۱۹۸۱ء میں آسٹریلیا کے خلاف بنایا گیا تھا۔
- حافظ شیرازی کا انتقال ۱۳۸۸ء میں ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۲ / سال تھی۔
- مرغی کے ایک بڑے انڈے کا وزن ۶۲ / گرام ہوتا ہے۔
- روس میں ۶۲ بز آبادی شہروں میں رہتی ہے۔
- جولائی اگست اور دسمبر جنوری ایسے دو دو لگاتار مہینے ہیں جن میں دونوں کی تعداد ۶۲ / ہوتی ہے۔
- گھوڑا اور شتر مرغ کی انتہائی عمر ۶۲ / سال ہوتی ہے۔
- ارسطو کا انتقال ۳۲۲ ق۔م میں ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ۶۲ / برس تھی۔

(۶۳)

- وصال کے وقت حضورِ اکرمؐ کی عمرِ مبارک ۶۳ / برس تھی۔
- پاکستانی پارلیمنٹ میں سینٹ کے اراکین کی تعداد ۶۳ / ہے
- ڈاکٹر جان گلکرائیٹ کے چار سالہ دور میں فورٹ ولیم کالج میں صرف ہندوستانی زبان کی ۶۳ / کتابیں تصنیف کی گئی تھیں۔
- کم فاصلے کے لیے دنیا کا سب سے تیز رفتار جانور چیتا ہے۔ جس کی حد رفتار ۶۳ / میل فی گھنٹہ ہے۔
- ملکہ وکٹوریہ ۶۳ / برس ۲۱۶ / دن برسرِ اقتدار رہیں۔
- پہلی عالمی جنگ کے آغاز پر برطانیہ کے پاس ۶۳ / جنگی طیارے تھے۔
- ڈبل روٹی کے ایک سلائس میں ۶۳ / حرارے ہوتے ہیں۔
- بریل سسٹم میں اُبھرے ہوئے نقطوں کے ۶۳ / پیٹرن استعمال ہوتے ہیں۔ جن کی مدد سے نابینا افراد بآسانی لکھ پڑھ سکتے ہیں۔
- جلال الدین اکبر کا انتقال ۱۷ / اکتوبر ۱۶۰۵ء کو ہوا۔ انتقال کے وقت اُس کی عمر ۶۳ / برس تھی۔

● دنیا کی آبادی میں ہر سال ۶۳ ملین افراد کے حساب سے اضافہ ہو رہا ہے۔

(۶۴)

● شطرنج کی بساط پر ۶۴ خانے ہوتے ہیں۔

● دنیا کے انتہائی شمال میں واقع دارالحکومت کا نام رک جاوک ہے جو آئس لینڈ کا دارالحکومت ہے۔ یہ شہر ۶۴ درجے شمال ارض بلد پر واقع ہے۔

● الف لیلہ کا انگریزی زبان میں پہلا ترجمہ رچرڈ برٹن نے ۱۸۸۵ء میں ۶۴ برس کی عمر میں کیا۔

● اس وقت دنیا میں ۶۴ رسم الخط رائج ہیں۔

● ولید بن عبدالملک کا انتقال ۷۱۵ء میں ۶۴ برس کی عمر میں ہوا۔

● نہر سوئز کے افتتاح (۱۸۶۹ء) کے وقت اس کے معمار فرڈیننڈ ڈی لیسپ کی عمر ۶۴ برس تھی۔

● دنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ پینی بلیک تھا جو مئی ۱۸۴۰ء میں جاری ہوا۔ اشاعت کے پہلے ماہ یہ ٹکٹ ۶۴ ملین کی تعداد میں شائع ہوا تھا۔

● ریڈیو پاکستان کی بیرونی سروس کی نشریات ۶۴ ممالک میں سنی جاتی ہیں۔

(۶۵)

● حضرت خدیجہؓ نے سنہ ۱۰ نبوی میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۵ برس تھی۔

● مزارِ قائدِ اعظمؒ پر آویزاں فانوس، جو چین نے تحفتاً پیش کیا تھا، ۶۵ فٹ لمبا ہے۔

● پاکستان میں سپریم کورٹ کے ججوں کی ریٹائرمنٹ کی عمر ۶۵ برس ہے۔

● ۱۹۸۰ء کے ماسکو اولمپکس کا ۶۵ ممالک نے بائیکاٹ کیا تھا جن میں پاکستان بھی شامل تھا۔

● مگرمچھ کے منہ میں ۶۵ دانت ہوتے ہیں۔

● زمین کی بالائی تہ کا ۶۵٪ حصہ سلیکا پر مشتمل ہے۔

● دنیا کا ۶۵٪ تانبہ زائر سے نکالا جاتا ہے۔

● انسان اپنی زندگی میں اوسطاً ۶۵ ہزار میل پیدل چلتا ہے۔

● ملکہ وکٹوریہ کی زندگی میں برطانیہ کے ۶۵ ڈاک ٹکٹ جاری ہوئے تھے۔

● عمران خان نے ۶۵ ایک روزہ بین الاقوامی میچوں میں پاکستان کی قیادت کی جن میں سے ۳۳ میچ جیتے ۲۹ ہارے اور ۳ بے نتیجہ رہے۔

سیرتِ طیبہ پر لکھی جانے والی معرکتہ الآرا کتاب جسے بطورِ خاص
بچّوں اور طالب علموں کے لیے تحریر کیا گیا
مشہور محقّق سیّد نظر زیدی کا تحفۂ خاص، جس نے صدارتی ایوارڈ حاصل کیا

سب سے بڑا انسانؐ

- سیرتؐ کے موضوع پر بیش بہا معلومات
- عام فہم، آسان اور دلنشیں اندازِ تحریر
- ۱۹۰ حسین آفسٹ صفحات،
- دلکش کمپوزنگ، عمدہ طباعت
- چار رنگوں کا حسین اور لیمینیٹڈ سرورق

الحمد للہ

اس خوبصورت کتاب کو شائع کرنے کی سعادت ادارۂ آنکھ مچولی ، گرین گائیڈ اکیڈمی نے حاصل کی۔

ھدیہ :- (چالیس روپے) (منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر کی شکل میں بھجوائیں)

ڈاک خرچ ادارے کے ذمّے ہوگا۔

نوٹ

طلبہ و طالبات اپنے ادارے کے شناختی کارڈ کی فوٹو اسٹیٹ بھجوا کر یہ کتاب آدھی قیمت میں حاصل کر سکتے ہیں

کتاب منگوانے کا پتہ :-

"سب سے بڑا انسانؐ" گرین گائیڈ اکیڈمی۔ ڈی - ۱۱۲ - سائٹ کراچی نمبر ۱۶

ننھّی نگارشات

نوخیز قلم کاروں کی مختصر تحریروں سے انتخاب

ایک ضروری بات

ادارہ آنکھ مچولی نے بارہا اپنے لکھنے والوں سے درخواست کی ہے کہ وہ نقل شدہ تحریروں کے بجائے ہمیں اپنی ذاتی تحریریں بھجوائیں ۔ خواہ وہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہوں، لیکن بار بار کی یاد دہانیوں کے باوجود بھی بعض ساتھی ہمیں دوسروں کی تحریریں اپنے نام سے بھجوا دیتے ہیں ۔ ایسا کرنا بد دیانتی بھی ہے اور تکلیف دہ عمل بھی. نقل شدہ تحریریں بھجوانے کے اس منفی رجحان کو روکنے کے لیے ہم اپنے قارئین ساتھیوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ تمام تحریریں بغور پڑھیں اور اگر چوری کی ہوئی یا نقل شدہ کوئی تحریر دیکھیں تو براہِ کرم فوراً اس کی نشاندہی کریں۔ چوری کی تحریریں بھجوانے والوں کے لیے ہمیں مجبوراً "بلیک بکس" کا ایک سلسلہ شروع کرنا پڑ رہا ہے ۔ یہ گویا ایک چھوٹی سی سزا ہے ۔ جو ساتھی بھی ہمیں نقل شدہ تحریر بھجوائے گا ہم اُس کا نام اور پتہ "بلیک بکس" میں شائع کیا کریں گے ۔ نہ صرف یہ بلکہ "آنکھ مچولی" میں آئندہ ان کے نام سے کبھی کوئی تحریر شائع نہ ہو سکے گی۔ (بلیک بکس "ننھی نگارشات" کے آخری صفحے پر دیکھیے ۔)

اولاد اور والدین

آصف جاوید سکندر ، کراچی نمبر ۳

شہاب میں ویسے خوبیاں تو بہت تھیں مگر اس کی ایک خامی تمام خوبیوں پر بھاری تھی ۔ دراصل وہ اپنی ماں کا ذرا لحاظ نہیں کرتا تھا ۔ اس نے ماں کا ناک میں دم کر رکھا تھا ۔ رات دیر تک گھر سے باہر رہنا اس کا مشغلہ تھا ۔ اس کے انتظار میں دروازہ کھلا رہتا، اور ماں جاگتی رہتی ۔ جب وہ آتا تو ماں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اُسے خوب ڈانٹتی مگر وہ کسی بات کی پرواہ کیے بغیر لیٹ جاتا اور بد تہذیبی سے کہتا "شور نہ کرو ماں ... سونے دے ... تھوڑی دیر بعد کہو گی کہ اُٹھو فجر ہو گئی ہے "

وہ نماز پڑھتا تھا ۔ یہ اُس کی ایک خوبی تھی ۔ مگر

کبھی کبھار جب ماں اُسے فجر کی نماز کے لیے جگاتی تو وہ ایک اودھم مچا دیتا۔ مگر ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا تھا۔

اس کے کردار میں موجود... کمزوری کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس کا والد ملک سے باہر ملازم تھا۔ جو دو تین برسوں کے بعد مختصر مدت کے لیے پاکستان آتا تھا۔ باپ کا ہاتھ سر پر نہ ہونے کی وجہ سے شہاب کو آزادی ملی جس نے اُس کی عادتوں کو خراب کر دیا۔

اس رات تو شہاب نے حد کر دی۔ ایک فنکشن میں چلا گیا اور ساری رات باہر گزار دی۔ گھر کا دروازہ اس کے لیے کھلا رہا اور ماں انتظار کرتے کرتے سو گئی۔ اور جب ماں فجر کی آذان سُن کر جاگی تو شہاب کی چارپائی خالی تھی
غصّے کی لہر اُس کے بدن میں دوڑ گئی "آج تو نہیں چھوڑونگی"

شہاب کی ماں ابھی نماز کے لیے وضو کر ہی رہی تھی کہ شہاب گھر میں داخل ہوا۔ رات بھر جاگنے کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہے تھے۔ وہ اپنی غلطی پر ذرا بھی شرمندہ نہ تھا۔

آج تک تو ماں نے ہمیشہ اپنے غصّے کا اظہار زبان سے کیا تھا مگر آج ماں نے زبان سے ایک لفظ نہ نکالا۔ قریب پڑی ہوئی بھاری لکڑی اُٹھائی اور شہاب کی طرف دوڑی۔ پہلا زوردار وار تو شہاب نے دائیں پہلو پر برداشت کیا۔ مگر اس سے پہلے کہ ماں دوسرا وار کرتی شہاب نے ماں سے ڈنڈا چھین لیا اور دیوار کے سہارے رکھ کر اُسے لات ماری اور توڑ دیا۔ ماں ٹوٹا ہوا ڈنڈا لے کر ایک مرتبہ پھر حملہ آور ہوئی مگر

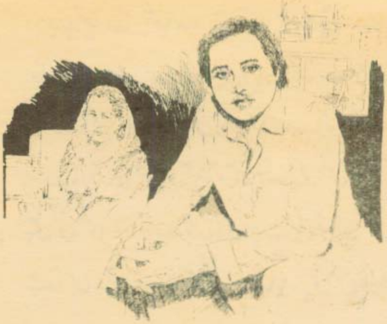

شہاب کمرے میں داخل ہو چکا تھا اور اُس نے اندر سے کنڈی لگالی تھی۔

ماں دیوانہ وار دروازے کو پیٹتی رہی۔ جیسے وہ دروازے کو نہیں بلکہ شہاب کو پیٹ رہی ہو جب تھک کر چور ہوگئی تو ٹوٹے ہوئے ڈنڈے کو پھینک کر وہ بے بسی سے رونے لگی۔ کافی دیر رونے کے بعد اُس کا جی کچھ ہلکا ہوا تو اُس نے نماز پڑھی۔ اور دیر تک دُعائیں مانگتی رہی۔

دوسری طرف ساری رات کا جاگا ہوا شہاب بستر لگا کر لیٹ چکا تھا۔ جب تک ماں دروازے کو پیٹتی رہی وہ جاگتا رہا، مگر جونہی شور شرابا ختم ہوا نیند نے اُسے اپنی آغوش میں سمیٹنا شروع کر دیا۔

اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

اور پھر وقت کو جیسے پر لگ گئے ہوں، شہاب بھی وقت کی تیز رفتاری پر حیران تھا۔ آج وہ اپنے لڑکپن کے زمانے پر پچھتا رہا تھا۔ اولاد کی بدتمیزی کی وجہ سے ماں باپ کو کتنا دُکھ ہوتا ہے۔ اس کا احساس اُسے اب ہوا تھا۔ شہاب کا بیٹا میز حد

درجہ بدتمیز تھا۔ شہاب نے جتنا اپنی ماں کو ستایا تھا۔ آج رمیز اُس سے کہیں زیادہ شہاب کو ستا رہا تھا۔ رمیز کی بدتمیزیاں دیکھ کر شہاب کو اپنی بیوی بہت یاد آ رہی تھی جو رمیز کو جنم دے کر اس دنیا سے چلی گئی تھی۔ اور اُسے ماں بھی بہت یاد آ رہی تھی۔ جسے اُس نے ساری زندگی ستایا۔ اپنی من مانیاں کر کے اُسے ناراض کیا اور وہ ناراضگی ہی کی حالت میں انتقال کر گئی۔ شہاب اپنے ماضی پر بہت پشیمان تھا اور پچھتا رہا تھا۔

اور پھر اُس دن تو رمیز نے حد کر دی جب کھانے کے دوران شہاب نے باتوں باتوں میں اپنی نصیحتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ رمیز کو باپ کی نصیحتوں سے چڑ تھی اور یہ بات شہاب بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ اسی لیے وہ بہت احتیاط سے کام لیتا تھا۔ آج رمیز خاموشی سے سُن رہا تھا۔ شہاب سمجھا شاید اس کی باتوں کا اثر ہو رہا ہے۔ مگر ایسی بات نہیں تھی۔ رمیز اچانک کسی آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑا: "میں کہتا ہوں چُپ ہو جاؤ... بند کرو اپنی نصیحتوں کی پٹاری..." رمیز کھانا چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ "کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تمہاری نصیحتوں کی... تمہاری بھی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ چلے جاؤ... یہاں سے... مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ چھوڑ دو مجھے اکیلا... مگر، مگر تم نہیں جاؤ گے... نہ جاؤ... پڑے رہو... یہیں... میں ہی چلا جاتا ہوں اس

اپنی نگارشات
صاف، خوشخط، کاغذ کے ایک
جانب ایک سطر چھوڑ کر
لکھیں۔

گھر سے... جہاں بور نصیحتوں کے علاوہ میرے لیے کچھ نہیں ہے۔" اور پھر رمیز پیر پٹختا ہوا گھر سے نکل گیا۔ شہاب ہکا بکا اپنی جگہ پر بیٹھے کا بیٹھا ہی رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ تھوڑی دیر تک شہاب اپنی جگہ پر بیٹھا سوچتا رہا اور پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔ لاٹھی سنبھالی اور گھر سے باہر نکل آیا۔ اس کا رُخ قبرستان کی طرف تھا۔

آج اُسے ماں شدت سے یاد آ رہی تھی۔ اور جو ظلم ماں پر اُس نے کیے تھے ایک ایک کر کے نگاہوں کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ اس کے قدم تیزی سے اُٹھ رہے تھے۔ اور آنکھوں سے آنسو برس رہے تھے۔

ماں کی قبر پر پہنچ کر وہ بالکل بے قابو ہو گیا۔ اُس نے لاٹھی ایک طرف پھینک دی اور ماں کی قبر سے لپٹ گیا۔ اب وہ باقاعدہ دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا اور اس رونے کے دوران بار بار یہ جملہ اس کے منہ سے نکل رہا تھا۔ "ماں مجھے معاف کر دے۔

ماں مجھ سے راضی ہو جا۔ ماں مجھے معاف کر دے ماں
مجھ سے راضی ہو جا۔ ماں مجھے معاف کر دے ماں
مجھ سے راضی ہو جا۔ ماں مجھے... معاف... اور وہ
جملہ پورا کیے بغیر خاموش ہو گیا۔ اس نے رونا بھی
بند کر دیا تھا۔

دراصل اُس نے ماں کی آواز سُنی تھی۔ پہلے تو اس آواز کو وہ اپنا وہم سمجھا مگر آواز دوبارہ آئی تو نظر انداز کرنا مشکل ہو گیا۔ اس نے آواز کی طرف کان لگائے ... " یہ تو واقعی ... ماں کی آواز ہے " وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔ اُس کے لہجے میں حیرت نمایاں تھی۔ اُس نے سُنا ماں کہہ رہی تھی " شہاب بیٹے اُٹھو دروازہ کھولو بیٹے، دروازہ کھولو بیٹے۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔ اٹھو دوپہر کا کھانا تیار ہے۔ تم نے تو صبح کا ناشتہ بھی نہیں کیا۔ چلو شاباش دروازہ کھولو۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی ..." اور پھر ماں کی یہ آواز سُنتے سُنتے شہاب پوری طرح بیدار ہو گیا۔ وہ قبرستان میں نہیں بلکہ اپنے بستر پر تھا۔ اُسے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ وہ خواب میں بوڑھا ہو گیا تھا، اور ماں بھی زندہ ہے۔ جس نے رات بھر باہر رہنے کی وجہ سے آج صبح پٹائی کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور اب باہر کھڑی بُلا رہی تھی، شہاب تیزی سے اُٹھا، دروازہ کھولا اور ماں کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگا اور وہ یہی کہہ رہا تھا " ماں مجھے معاف کر دو ماں مجھ سے راضی ہو جا "

ماں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیر رہے تھے۔ اور وہ اپنا ہاتھ شہاب کے سر پر پھیر رہی تھی۔ آج اُس کی وہ دُعائیں قبول ہو گئیں تھیں جو وہ شہاب کے لیے مانگا کرتی تھی۔

ہمارا اسکول

عبداللہ آزاد

جیسے دیکھنا ہو ہڑپّہ کا کھنڈر
بس اک بار دیکھے، یہ اسکول آکر

ہر اک اسکی دیوار ٹوٹی ہوئی ہے
کواڑوں کی پالش بھی اُکھڑی ہوئی ہے

نہ میزیں میسّر نہ کرسی یہاں ہے
کبھی تھیں یہاں پر جو دریاں کہاں ہیں؟

ہر اک کام کی چیز اُلٹی ہوئی ہے
ٹیچر کی کرسی بھی ٹوٹی ہوئی ہے

جیسے دیکھنا ہو ہڑپّہ کا کھنڈر
بس اک بار دیکھے، یہ اسکول آکر

ہماری شامت

محمد عقیل صابر، گلشن اقبال ۔کراچی

یہ واقعہ اُن دنوں کا ہے جب میں چھٹی جماعت میں تھا۔ ہمارے اُردو کے ٹیچر ایک بہت ہی سخت آدمی تھے۔ ہم اُردو کے پیریڈ کو ان کی سختی کی وجہ سے "روزِ محشر" کہتے تھے۔ کاپیاں دستخط کرتے وقت اُن کی سختی انتہا پر ہوتی تھی۔ اگر کسی لڑکے کی کاپی نامکمل ہوتی تو اُس کی کاپی بھی جاتی اور مولا بخش سے مار الگ پڑتی۔

ایک دن ماسٹر صاحب نے یہ کہتے ہوئے میرے حواس ہی گم کر دیے کہ سب اپنی کاپیاں میز پر رکھ دیں، میری کاپی پر دستخط نہیں تھے، بہت سے لڑکے اسکول سے بھاگنے کی ترکیب سوچ رہے تھے۔ اور بہت سے کاپی پر دستخط کرنے میں مصروف تھے۔ بھئی بچنے کی ایک یہی توراہ تھی۔ دستخط کی نقل۔ میں لرزتی انگلیوں سے کاپی ماسٹر صاحب کو دے تو دی لیکن اب یہ خیال آرہا تھا کہ آج ماسٹر صاحب میری چوری ضرور پکڑ لیں گے۔ آج مجھے مار کھانا پڑے گی۔ میں ایک لمحہ بھی اسکول میں نہ ٹھہر سکا اور پیشاب کی اجازت لے کر اسکول سے بھاگ گیا۔ دوسرے دن صبح ہی صبح ماسٹر صاحب ہاتھ میں ایک موٹی چھڑی لے کر نمودار ہوئے۔ چھڑی دیکھ کر تو میری جان ہی نکل گئی۔ ہمارے ماسٹر صاحب ہمیں ریسٹ ڈاؤن، کا موقع دیے بغیر ہی بولے۔

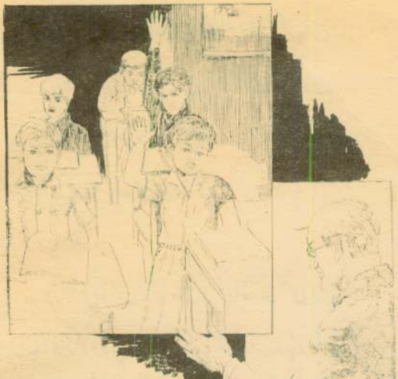

"آج ایک لڑکے نے ایسی غلیظ حرکت کی ہے جو نہ صرف ہماری بلکہ پورے اسکول کی توہین ہے۔ آج تم بچے ہو کل تم کو ہی ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم میں سے جس نے بھی یہ حرکت کی ہے وہ میرے سامنے آجائے ورنہ ساری کلاس کی وہ مرمت کروں گا کہ ساری عمر یاد کرو گے۔ اگر وہ لڑکا جس نے یہ حرکت کی ہے وہ میرے سامنے آجائے تو نہ صرف یہ کہ میں اُسے معاف کر دوں گا بلکہ انعام بھی دوں گا۔ اُس کی سچائی کے صلے میں، ماسٹر صاحب کی یہ تقریر گویا مجھ پر بلکہ ساری کلاس پر بجلی بن کر گری اور ہم یہ سمجھے کہ ہماری چوری پکڑی گئی ہے۔ چاروناچار دل پر پتھر رکھ کر میں نے اپنا ڈیسک چھوڑا اور ماسٹر صاحب کے سامنے آگیا۔ لڑکوں نے تالیاں بجادیں، میری شامت اور اپنی نجات کے لیے، ماسٹر صاحب نے کہا جب تم نے اپنے جرم کا اقرار کر ہی لیا ہے تو یہ بھی اپنے ہاتھ سے پھاڑ دو۔

میں سمجھا کہ یہ میری کاپی کا وہ ورق ہے جہاں میں نے دستخط کیے تھے۔ مگر جب کاغذ کھول کر پڑھا تو ہمارا اُوپر کا سانس اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ نیچے بیہودہ گالیاں اور اُوپر ماسٹر صاحب کا کارٹون بنا ہُوا تھا۔ میں نے جھٹ کہا یہ ... یہ ... میرا پرچہ نہیں ہے کمبخت جھُوٹ بولتا ہے اور پھر وہ ہماری شامت آئی کہ رہے نام سائیں کا) اُس کے بعد ہم پانچ روز اسپتال میں اور پانچ روز گھر میں نظر بند رہے۔

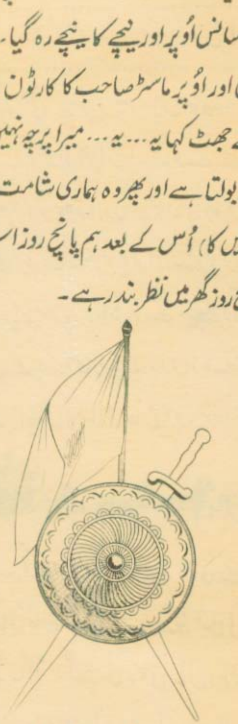

اسلامی معلومات

عظمیٰ ادریس۔ رامسوامی۔ کراچی

۱۔ وہ کون سے صحابی ہیں جنہیں بہادری پر اللہ کی تلوار (سیف اللہ) کا خطاب دیا گیا؟

۲۔ کلمہ طیبّہ میں کُل کتنے نقطے ہیں؟

۳۔ وہ کون سی نماز ہے جس کی دو آذانیں ہوتی ہیں؟

۴۔ ڈاک کا محکمہ کس صحابی نے رائج کیا؟

۵۔ اس سورۃ کا نام بتائیں جس کے شروع میں بسم اللہ نہیں ہے؟

جوابات

۱۔ حضرت خالد بن ولیدؓ ۲۔ ایک بھی نہیں ۳۔ نمازِ جمعہ ۴۔ حضرت امیر معاویہؓ ۵۔ سورۃ توبہ۔

اقوالِ زرّین

مرسلہ :۔ صبا عبدالغفار محنتی

۱۔ تمہیں اُس دن پر رونا چاہیے جو نیکی کے بغیر گزار دیا۔ (حضرت ابو بکر صدّیقؓ)

۲۔ عقل مند کی دوستی اختیار کرو، اس میں فائدے بہت ہیں۔ (حکیم لقمان)

۳۔ جھگڑا بڑھنے سے قبل تم اُس سے الگ ہو جاؤ۔ (حضرت سلیمان فارسیؓ)

۴۔ قومیں فکر سے محروم ہو کر تباہ ہو جاتی ہیں۔ (علّامہ اقبالؒ)

خوش اخلاقی

اَرسال کار :۔ محمد اکرم سیالوی ۔ ننکانہ صاحب

انسان کو ہمیشہ شائستگی اختیار کرنی چاہیے اور خاص طور پر بُری خبر سُناتے وقت تو اخلاق کا دامن ہاتھ سے ہر گز نہیں چھوٹنا چاہیے۔

ایک کلرک کو میز پر سر رکھے سوتے دیکھ کر اُس کے افسر نے اُسے آرام سے جگایا اور انتہائی نرمی سے کہا: "معاف کرنا! میں تمہیں ہر گز نہ جگاتا اگر معاملہ اتنا ضروری نہ ہوتا۔ دراصل تمہیں نوکری سے نکالا جاچکا ہے۔

لاڈو رانی کی بلّی

مرسلہ: صمد علی شاد، کراچی

لاڈو رانی کی ہے بلّی
بھوری بھوری کالی کالی
ریشم ایسے بال ہیں اُس کے
پھولے پھولے گال ہیں اُس کے
ننھے مُنّے دانت ہیں اُس کے
پیارے پیارے ہات ہیں اُس کے
ناک ہے اس کی بالکل چھوٹی
آنکھیں اس کی موٹی موٹی
چوہے کے نزدیک نہ جائے
دُودھ چپاتی روز ہی کھائے
لاڈو کے ہی پاس ہے رہتی
اُس سے ہی دُکھ سُکھ ہے کہتی
اور کوئی گر ہاتھ لگائے
اُس پہ جھپٹے اور غرّائے
لاڈو رانی کی ہے سہیلی
پل بھر بھی نہ رہے اکیلی

مارکوپولو کا سفر

سلمیٰ راجڑ، گوٹھ حاجی حسین بخش راجڑ

مارکوپولو اٹلی کے شہر وینس میں ۱۲۵۴ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے والد اور چچا تجارت کرتے تھے۔ اس کے والد کا نام زکولو پولو تھا اور چچا کا نام ماتیو پولو تھا مارکو پولو ابھی بچّہ تھا کہ نکولو پولو اور ماتیو پولو تجارت کرنے کے لیے سفر پر روانہ ہوگئے۔ پہلے وہ قسطنطنیہ گئے اور اس کے بعد بخارا پہنچے۔ اس زمانے میں منگولن کا سب سے بڑا بادشاہ قبلائی خان چین پر راج کرتا

تھا کچھ لوگ جو کہ قبلائی خان کے درباری تھے ماتیو اور زکولو کو قبلائی خان کے دربار لے گئے قبلائی خان نے دونوں کی بڑی آؤ بھگت کی۔ کافی سال وہاں رہنے کے بعد وہ اپنے وطن واپس لوٹے۔ دو سال کے بعد وہ پھر سفر پر روانہ ہوئے تو مارکو بھی اُن کے ساتھ تھا۔ وینس سے روانہ ہوکر وہ شام پہنچے اور وہاں سے بیت المقدس گئے، وہاں سے وہ شام اور ترکی سے ہوتے ہوئے ایرانی خار پہنچ گئے اور وہاں سے ایشیا کے شہر بلخ پہنچ گئے۔ وہاں سے وہ آخر تین سال کے سفر کے بعد دوبارہ قبلائی خان کے دربار میں پہنچے جب مارکو قبلائی خان کے دربار میں پہنچا تو اُس کی عُمر اکیس سال تھی۔ وہ بہت ذہین تھا۔ اس نے منگولن کی بولی سیکھی اور اسے سلطنت کے مختلف علاقوں

میں خاص منصب دے کر روانہ کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد آخر ۱۷ برس کی غیر حاضری کے بعد وہ اپنے پیارے وطن اٹلی پہنچے۔ مارکو نے اپنے سفر کا سارا حال احوال اپنی ایک کتاب میں کیا ہے۔ جس کا نام "مارکو پولو کے سفر" ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ

اسماء رانی بدر، عثمانیہ کالونی کراچی

حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں ایک سائل حاضر ہوا۔ اس وقت اُن کے پاس اُسے دینے کے لیے کچھ موجود نہیں تھا چنانچہ انہوں نے اپنی جُوتیاں اُسے دے دیں، سائل انہیں لے کر واپس چلا گیا۔ اُن دنوں امیر خسرو شہنشاہ کے ساتھ بنگال گئے ہوئے تھے۔ واپسی کے وقت انہوں نے ایک سرائے میں قیام کیا۔ اُن کا شمار چونکہ بادشاہ کے مصاحبوں میں ہوتا تھا۔ اس لیے ہاتھی، گھوڑوں، کنیزوں اور غلاموں کی بڑی تعداد ان کے ساتھ تھی۔ اُس دن سرائے میں یکایک امیر خسرو نے بڑی بے چینی سے کہا "بُوئے پیرمے آید" بُوئے پیرمے آید" (پیر کی خوشبو آتی ہے)، لوگوں نے کہا یہاں پیر و مرشد کہاں، ہم دِلّی سے بہت دُور ہیں" لیکن امیر خسرو کے اضطراب میں کمی نہیں ہوئی وہ یہی کہتے رہے "بوئے پیرمے آید بوئے پیرمے آید" لوگوں نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیا اور امیر خسرو کے اضطراب کا شہرہ ساری سرائے میں ہوگیا۔ اسی وقت امیر خسرو کا ایک ہم سفر بھاگا ہوا آیا اور کہنے لگا "آپ صحیح کہتے ہیں، ایک مسافر دلّی سے آیا ہوا ہے، شاید وہ حضرت کی خدمت میں گیا ہو اور اُن سے کوئی عطیہ لایا ہو۔" امیر خسرو فوراً مسافر کے پاس پہنچے اور اُس سے حقیقتِ حال دریافت کیا مسافر نے کہا "وہاں میں حضرت کی خدمت میں گیا تھا۔ انہوں نے یہ مجھے اپنی جوتیاں عنایت کی ہیں۔ امیر خسرو بے تابی سے دریافت کیا" کیا تم یہ جوتیاں مجھے فروخت کر سکتے ہو؟" مسافر تو ضرورتمند تھا کہنے لگا "کیا دو گے؟" امیر خسرو بولے

یہ سب ہاتھی، گھوڑے، غلام اور تمام نقدی لے لو۔ مگر جوتیاں مجھے دے دو۔" مسافر نے کہا کیوں مذاق کرتے ہو بھائی؟" امیر خسرو نے پیشانی پر بَل ڈالے بغیر اُسی وقت ساری چیزیں اُس کے حوالے کر دیں اور جوتیاں لے کر اپنی دستار میں باندھ لیں۔ یہ واقعہ لکھنؤ میں پیش آیا تھا۔۔ امیر خسرو وہاں سے دہلی تک تنہا ننگے پاؤں پیدل آئے اور جب وہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے سامنے پہنچے تو حضرت نے مُسکرا کر کہا۔

"ترک جُوتیاں بہت سستی خرید لیں۔"

خوشبودار محل

محمد عاطف ایاز، لطیف آباد، حیدرآباد

بیرس کے نزدیک ایک قدیم محل ہے۔ یہاں

کسی زمانے میں نپولین کی بیوی ملکہ جوزفین رہا کرتی تھی۔ اس کا انتقال ۱۸۱۴ء میں ہوا۔ اس محل سے مشک کی تیز خوشبو اب بھی آتی ہے۔ اس محل کے دوسرے مالکان نے خوشبو کو زائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ناکام رہے۔ محل کے در و دیوار سے اُٹھنے والی خوشبو ملکہ اپنے آپ کو معطر کرنے کے لیے استعمال کرتی تھی۔ یہ محل آج کل عجائب گھر کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔

بچھو کی خودکشی:۔ بچھو کی کمر پر اگر شراب کا ایک قطرہ بھی ٹپکا دیا جائے تو وہ خود اپنے آپ کو ڈنگ مار کر مر جاتا ہے۔

ہیرو

کاشف طاہر۔ کوثر ٹاؤن، کراچی

وہ اپنے خیالات میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا وہ ایک توانا اور مضبوط جسم والا نوجوان تھا۔ اس کے لمبے لمبے بال اس کے شانوں تک آ رہے تھے۔ اس کے کندھے پر ایک بیگ لٹک رہا تھا۔ اس وقت وہ اپنے آپ کو مار دھاڑ سے بھرپور کسی فلم کا ہیرو سمجھ رہا تھا۔ مصروف شاہراہ پر اس کے قدم ایسے پڑ رہے تھے جیسے کوئی مقبول ڈانسر اپنے فن کا مظاہرہ کرنے اسٹیج کی طرف آ رہا ہو۔ اپنی دھن میں مگن سیٹی کی آواز میں کسی ڈسکو گانے کی دھن بجاتا ہوا یہ نوجوان کبھی کبھی کندھے پر لٹکے ہوئے بیگ کو ایک ہاتھ سے جھلانے لگتا اور پیشانی سے نیچے آتے ہوئے بالوں کو اس انداز سے جھٹکا دے کر اوپر اچھالتا کہ بے اختیار راہ چلتے لوگوں کی نظریں اس پر مرکوز ہو جاتیں اور نوجوان کی اکڑی ہوئی گردن اور اکڑ جاتی۔

"اے لڑکے!!" اچانک پیچھے سے ایک کڑک دار آواز نے اُسے خیالات کی حسین دنیا سے بُری طرح جھنجھوڑ ڈالا۔ اور اس کے پاؤں... اچانک بیٹری فیل ہو جانے والے روبوٹ کی طرح ساکت ہو گئے۔ تنی ہوئی گردن بھی ڈھیلی پڑ گئی۔ اور وہ نوجوان "آیا صاحب!" کا نعرہ لگاتا ہوا ایک کار والے کے قدموں میں بیٹھ گیا اور اپنے بیگ میں سے سامان نکال کر بوٹ پالش کرنے لگا۔

جو تحریر آپ ہمیں بھجوائیں اس کی نقل اپنے پاس محفوظ رکھیں اور ہم سے واپسی کا تقاضہ نہ کریں۔

تپ دق

تحریر:۔ ڈاکٹر شیمو ملک پنجگورو

تپ دق بیکٹیریا پیدا کرتے ہیں جنھیں مائیکو بیکٹیریا ٹیوبر کلوسس کہتے ہیں۔ انسان میں اس جرثومہ کا زیادہ نشانہ پھیپھڑے بنتے ہیں۔ ان بیکٹیریا میں یہ صلاحیت ہے کہ یہ انسان کے دوسرے اعضا یا حیوانوں کو نقصان پہنچا سکیں۔ تپ دق کی دو قسمیں ہیں۔ انسانی اور حیوانی۔

پہلی قسم تپ دق کے مریضوں کے ذریعے سے پھیلتی ہے اور دوسری قسم عموماً بچوں میں جانوروں کے دودھ میں جرثوموں کے ذریعے منتقل ہوتی ہے۔ اور زیادہ سنگین نہیں ہوتی اس کی علامات میں ہلکا ہلکا مستقل بخار، رات کا ٹھنڈا پسینہ، وزن میں کمی، بھوک میں کمی، گاڑھے بلغم کا اخراج، عجیب طرح سے سانس لینا، اور بالآخر کھانسی جس میں خون بھی شامل ہو سکتا ہے۔ تپ دق کے علاج کے لیے اسپتالوں میں علیحدہ سینی ٹوریم بنے ہوتے ہیں۔ ابتدائی مراحل میں اس مرض کا علاج کرنے سے جلد صحت حاصل ہو جاتی ہے۔

اس بیماری میں سب سے پہلے مریض کا ایکسرے کروایا جاتا ہے تاکہ بیماری سے متاثرہ حصوں کا تعین کیا جا سکے۔ اس کے بعد علاج کیا جاتا ہے۔ مریض کی خوراک میں کافی، انڈے، دودھ، کریم اور پھل شامل ہونے چاہئیں۔ تبدیلیٔ آب و ہوا اور کھلی تازہ ہوا مریض کے تندرست ہونے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ بی سی۔ جی ویکسی نیشن اس کا جدید علاج ہے۔

جنّت کا ٹکڑا

ملک فضل ربّی راھی اعوان، کراچی

آج صبح اُٹھا تو کافی دیر ہو چکی تھی۔ جلدی جلدی ناشتہ کیا اور چلا بس اسٹاپ کی طرف، تاکہ جلد سے جلد اسکول پہنچ سکوں۔ بس اسٹاپ پہنچا تو وہاں ایک عجیب سماں دیکھا لوگ ایک قطار میں کھڑے ہیں نہ کہ لڑ بھڑ کر بس میں سوار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسکول جاتے ہوئے رستے میں دیکھا کہ کالج کے لڑکے بزرگ اور معذور لوگوں کو سڑک پار کروا رہے ہیں۔ آج کسی طالب علم نے قانونی خلاف ورزی نہیں کی، کوئی سگنل نہیں توڑا۔ کوئی پولیس والا کسی کو بے جا تنگ نہیں کر رہا تھا۔ سڑک پر کچرے کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اور تو اور آج بس کنڈیکٹر نے بھی اتنی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا کہ میں حیران رہ گیا۔ آج تو ہماری کلاس میں کسی لڑکے نے ہوم ورک نہ کرنے یا اسکول سے بلا وجہ غیر حاضری پر کوئی جھوٹ نہیں بولا۔

ظہر کی نماز پڑھنے جب محلّے کی مسجد میں گیا تو دیکھتا ہوں کہ پوری مسجد نوجوانوں سے بھری پڑی ہے۔ ہر شخص خدا کے حضور سجدہ ریز ہے۔ مسجد سے باہر آیا تو میں نے نوٹ کیا کہ آج وی سی آر کی کوئی بھی دکان نہیں کھلی۔ اخبار اُٹھا کر دیکھا تو خلافِ معمول کہیں کسی کے قتل کی کوئی خبر نہ تھی اور نہ ہی سیاستدانوں کی دھینگا مشتی، بلکہ سیاستدان تو ایک دوسرے کی تعریفیں کر رہے تھے۔ کسی ہنگامے کی کوئی خبر نہ تھی، نہ کسی کالج کی کلاسوں کے بائیکاٹ کی کوئی خبر تھی۔ نہ کہیں کسی تخریب کاری کی اطلاع ملی۔

اور تو اور آج ہر چیز خالص ملی، ملاوٹ کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ ہمارا ملک ہے یا میں جنت میں پھر رہا ہوں اور یہ

جگہ جنت کا کوئی ٹکڑا۔ اور اسی وقت میری والدہ نے آواز لگائی اٹھو بیٹا اسکول سے دیر ہو جائے گی۔ اور میں اُٹھتے ہوئے سوچنے لگا کہ ہمارا وطن تو واقعی جنت کا ٹکڑا ہے مگر ہم خود اسے دوزخ بنا رہے ہیں۔

حضرت بلالؓ

مرسلہ: ندیم احمد۔ آواران

ابن رباح حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے مشہور صحابی تھے۔ حبشی نسل کے غلام تھے۔ اسلام کے پہلے مؤذن تھے۔ اسلام سے مشرف ہوئے۔ کفارِ عرب نے حضرت بلالؓ پر اُن کے اسلام لانے کی وجہ سے بہت ظُلم ڈھائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تمام غزوات میں شامل رہے۔ جنگِ بدر میں حضرت بلالؓ نے امیہ بن خلف کو ہلاک کیا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے آذان کہنے کے لیے بلالؓ کو مقرر فرمایا۔ سفر میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے کھانے پینے کا انتظام حضرت بلالؓ کے ذمّے ہوتا تھا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد حضرت عمرؓ کے اصرار کرنے پر صرف ایک دفعہ آذان کہی۔ کہا جاتا ہے کہ اُس روز آذان میں جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا نام آیا تو غش کھا کر گر پڑے اور جان دے دی۔

انسانی جسم

شمیمہ ملک عرف ڈاکٹر شمیمہ۔ پنج گور

۱۔ ایک بالغ انسان کے جسم میں ۲۰۶، ہڈیاں ہوتی ہیں۔
۲۔ انسانی جسم کی سب سے کمزور ہڈی پسلی کی ہڈی ہے۔
۳۔ انسان کی ٹانگ میں ۳۱، ہڈیاں ہوتی ہیں۔
۴۔ ہاتھ کی ہتھیلی میں ۸، ہڈیاں ہوتی ہیں
۵۔ بچّے کے جسم میں بڑوں کی نسبت زیادہ ہڈیاں ہوتی ہیں۔
۶۔ انسان کے چہرے پر ۱۴، ہڈیاں ہوتی ہیں
۷۔ انسان کے شانوں میں ۲، ہڈیاں ہوتی ہیں۔
۸۔ ۳۳، ہڈیوں سے مل کر ریڑھ کی ہڈی بنتی ہے۔
۹۔ انسان کے سر میں ۲۲، ہڈیاں ہوتی ہیں۔
۱۰۔ انسان کے ہاتھ کی کلائی میں ۲، ہڈیاں ہوتی ہیں۔
۱۱۔ انسانی جسم کا سب سے طاقتور عضو دل ہے۔
۱۲۔ انسانی دل کا وزن ۸، سے ۱۰، اونس تک ہوتا ہے۔
۱۳۔ انسانی دل کے چار خانے ہوتے ہیں۔
۱۴۔ نومولود بچّے کے دل کی دھڑکن کی رفتار ۱۳۵، فی

نقل شدہ، طویل اور غیرمعیاری تحریریں شائع نہ ہوسکیں گی۔

منٹ ہوتی ہے۔

۱۵۔ تندرست انسان کا درجۂ حرارت ۹۷٫۶° سے ۹۹٫۶° ہوتا ہے۔

۱۶۔ عموماً نبض اور سانس لینے کی رفتار میں ۴:۱ کی نسبت ہوتی ہے

۱۷۔ انسان کا عام درجۂ حرارت ۳۶٫۷۷۵ س ہوتا ہے۔

۱۸۔ آنکھوں میں دوسرے اعضاء کی نسبت زیادہ پانی ہوتا ہے۔

۱۹۔ غصے کی حالت میں آنکھ کی پُتلی سُکڑ جاتی ہے۔

۲۰۔ روشنی سے آنکھ کی پُتلی سُکڑ جاتی ہے۔

۲۱۔ انسان کا دایاں پھیپھڑا بائیں پھیپھڑے سے بڑا ہوتا ہے۔

۲۲۔ پھیپھڑے ۲۴ گھنٹوں میں تقریباً ۲۳ ہزار مرتبہ پھیلتے اور سُکڑتے ہیں۔

۲۳۔ جگر کو انسانی جسم کی کیمیائی فیکٹری کہا جاتا ہے۔

۲۴۔ ولیم ہاروے سے پہلے ایک مسلمان شخصیت حکیم ابن نفیس نے دورانِ خون دریافت کیا تھا۔

۲۵۔ انسانی خون کے مختلف ۴ گروپ ہوتے ہیں۔

۲۶۔ او گروپ کا خون سب انسانوں کو دیا جاسکتا ہے۔

۲۷۔ اگر اتفاق سے خون کا دباؤ کم ہوجائے تو نبض کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔

۲۸۔ اگر خون کا گروپ معلوم ہوجائے تو یہ بتایا جاسکتا ہے کہ یہ خون کسی سفید فام کا ہے یا سیاہ فام کا ہے۔

بلیک بکس

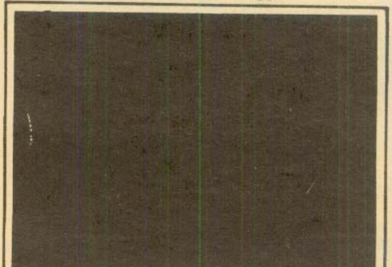

"اگر آپ مستقبل کے اچھے اور نیک نام ادیب بننا چاہتے ہیں تو کوشش کیجیے کہ آپ کا نام بلیک بکس میں نہ آنے پائے۔"

سالگرہ کے ساتھی

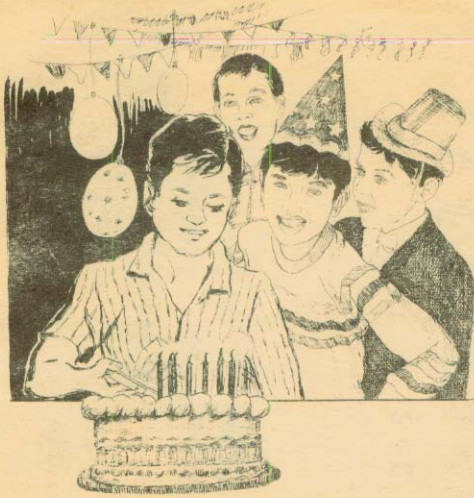

ملک منظور جاوید، دہم
۳ر جون ۱۹۷۲ء
اسکواشن، کرکٹ، کیرم اور
کہانیاں پڑھنا۔ اسلامیات، بوائے اسکاوٹ
مکان نمبر ۳۲۲۳ محلہ نصرت الاسلام علاقہ شاہین بازار بغداد

محمد کامران خان، ہشتم
۲۵ر جون ۷۷ ۱۹ء
انگلش، آنکھ مچولی پڑھنا
ڈاکٹر بنیں گے۔
۱۶ رسی / ۷ لطیف آباد، حیدر آباد

محمد رمضان انجم، دہم
یکم جون ۱۹۷۴ء
انگریزی۔ قلمی دوستی
معلوماتی کتب پڑھنا، پائیلٹ۔ محمد رمضان انجم
محمد انور کلاتھ مرچنٹ مارکیٹ روڈ کوٹ غلام محمد (سندھ)

عزیز ناصر، نہم
۴ر جون ۱۹۷۳ء
ٹکٹیں جمع کرنا، ریاضی
ڈاکٹر بنیں گے۔
محلہ رحمان پورہ امین آباد ضلع گوجرانوالہ

صفدر غنی، ہفتم
۶ر جون ۱۹۷۶ء
کہانی پڑھنا، معاشرتی علوم
بڑے ہو کر انجینئر بنیں گے۔ بی، ایس - ۱۸
۱۳۔ بلاک الصغیر پلازہ۔ گلشن اقبال، کراچی

شیر اکبر شباب افغانی، نہم
۴ر جون ۱۹۷۴ء
بیالوجی، معلوماتِ عامہ
ڈاکٹر بنیں گے
حکیم خان جنرل اسٹور معین آباد، (لانڈھی) کراچی۔

محمد طاہر نقاش، ہشتم
۲۶ر جون ۱۹۷۶ء
کراٹے، کرکٹ، آنکھ مچولی
سائنس، انجینئر بنیں گے۔
محلہ مشرقی جلالپور شریف، جہلم

باسط مصطفےٰ، ہفتم
۳ر جون ۱۹۷۷ء
کرکٹ کھیلنا اور کہانیاں
پڑھنا۔ مضمون، اردو۔ انجینئر بنیں گے۔
محلہ میاں بادشاہ، کوہاٹ شہر

یاسر عرفان، دہم
۱۹ر جون ۱۹۷۳ء
سائنس، رسائل پڑھنا
قلمی دوستی، ادیب۔ قائد آباد، کالونی نمبر۲
مکان نمبر ۲۰۲، پشاور شہر

یونس خان، میٹرک
یکم جون ۱۹۷۲ء
انگریزی، فٹبال کھیلنا
آنکھ مچولی پڑھنا، فوجی بننا چاہتا ہوں۔
بنگلہ نمبر R-9 - پشاور یونیورسٹی، کیمپس

شوکت علی، ہشتم
۱۲ ر جون ۱۹۷۵ء
اُردو۔ مطالعہ کرنا،
ڈاکٹر بنیں گے۔ معرفت محمد صدیق دکاندار
گلی مندر والی بمقام کوٹ مومن تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا

عبدالخالق تبسم جوئیا، نہم
۱۵ ر جون ۱۹۷۵ء
عربی، والی بال کھیلنا
ٹیچر بنیں گے۔ سکنہ و بمقام بکہ گھنجیرہ والا
تحصیل و ضلع میانوالی۔

عبدالحکیم خان لُہر، دہم
۵ ر جون ۱۹۷۲ء
تاریخِ پاکستان، والی بال
کھیلنا، کہانیاں لکھنا، شاعر محلہ کونسلر حامد
تحصیل و ضلع اٹک گاؤں کالا ملیور موسیٰ پوسٹ آفس ولیہ

محمد رضوان خان، دہم
۱۳ ر جون ۱۹۷۱ء
حساب۔ کرکٹ کھیلنا
مطالعہ کرنا، کرکٹر بنیں گے۔
۱۶۱، سی/۷ لطیف آباد حیدر آباد (سندھ)

زین العابدین صدیقی، ہشتم
۱۲ ر جون ۱۹۷۴ء
ڈرائنگ، کرکٹ کھیلنا
فوجی آفیسر۔ صدیقی برادر ہاؤس ڈاکٹر
اولیس والی گلی ریلوے روڈ، شجاع آباد

محمد ادریس، دہم
۱۰ ر جون ۱۹۷۰ء
ڈاک ٹکٹ جمع کرنا، ریفریجریٹر
ایئر کنڈیشنڈ، انجینئر بنیں گے۔
۱۰/۱۰-جی-۱ ناظم آباد نمبر ۱ کراچی نمبر ۱۸

وحید گل، نہم (جنرل گروپ)
۱۶ ر جون ۱۹۷۴ء
مطالعہ پاکستان
آنکھ مچولی پڑھنا۔ نیوی افسر۔ معرفت
شاہین میوزک اینڈ ٹیک اسٹال کیماڑی کراچی نمبر ۲

حبیب اللہ، چہارم
۳ ر جون ۱۹۷۷
اردو، کرکٹ کھیلنا۔
رسالے پڑھنا، پائلٹ۔
ڈھکی دالگراں حافظ چیمبر فلیٹ نمبر ۴ پشاور

ساتھیوں سے یہی کہنا ہے کہ اب وہ اپنا تعارف اس انداز سے بھجوائیں کہ ان کا ماہِ ولادت تعارف میں ضرور موجود ہو۔ یاد رہے کہ تصویر کے ساتھ کوپن کا آنا بہت ضروری ہے۔ وہ بہت سے ساتھی جو پہلے سے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے ان سے بھی گزارش ہے کہ وہ بھی اب اس نئے طریقے کے مطابق شمولیت اختیار کریں

نام ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ جماعت ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ

تاریخ ماہ و سنِ پیدائش ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ مشاغل ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ

پسندیدہ مضمون ـــ ـــ ـــ بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہیں ـــ ـــ ـــ

پتہ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ

امّی ابّو کا صفحہ

اُمِ رمیصا

اکثر ماں باپ کو اپنے بچوں سے مختلف نوعیت کی شکایتیں رہتی ہیں۔ مثلاً بچے اکثر ضدّی ہو جاتے ہیں، کہنا نہیں مانتے، بعض بچے بڑوں کے منہ کو آتے ہیں، آواز دی جائے تو اس پر کان نہیں دھرتے، اپنی عمر سے بڑی باتیں کرتے ہیں جو انہیں زیب نہیں دیتیں۔ بعض بچے فطرتاً لاپرواہ ہوتے ہیں، کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کا رویہ تکلیف دہ حد تک غیر شائستہ اور نامناسب ہو جاتا ہے۔

چونکہ یہ تمام شکایتیں ایسے بچوں سے ہوتی ہیں جو اپنی کم عمری کے باعث اچھی اور بُری باتوں کے نتائج کو واضح طور پر سمجھ نہیں رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم بہت زیادہ تشویش نہیں کرتے اور اصلاح کے امکان کو ذہن میں رکھ کر بچوں کی ان باتوں کو نظرانداز کرتے رہتے ہیں۔ یہ بات بچپن کی حد تک تو درست ہے، لیکن اگر بڑی عمر کو پہنچ کر بھی یہ صورت باقی رہے تو یہ تشویشناک ہی نہیں تکلیف دہ بھی ہے۔ بڑی عمر کے زیادہ تر لڑکے اور بعض لڑکیاں مزاجاً لاپرواہ، غیر سنجیدہ، زبان دراز، فضول خرچ، محنت سے جی چرانے والے اور بے مقصد زندگی گزارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بڑی عمر میں یہ شکایتیں ماں باپ کے لیے انتہائی تکلیف دہ ہو جاتی ہیں۔ وہ اس پر جلتے کڑھتے ہیں، ڈانٹ ڈپٹ اور لعنت ملامت بھی کرتے ہیں، مگر اصلاح ہوتی نظر نہیں آتی بچوں کے رویے ماں باپ کے لیے روگ بن جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ نوبت یہاں تک کیوں پہنچی...؟ تھوڑی دیر کے لیے ماضی میں جھانکیئے اور اپنے کم عمر بچوں کے ساتھ اپنے رویوں پر غور کیجیے، کہیں کوئی لغزش ضرور ہوئی ہوگی۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ اپنی مصروفیات کے باعث بچے کو وقت نہ دے پائے اور کم عمری میں بچوں کا زیادہ تر وقت آیاؤں نوکروں یا دوسرے رشتے داروں کے پاس گزرا۔

یا پھر ان کی تربیت بہت سخت ماحول میں ہوئی، ان پر سو سو طرح کی پابندیاں لگائیں، ان کی خواہشوں کو روکا۔ انہیں بچپن میں ڈرا دھمکا کر اپنے احکامات کا تابع بنایا۔

یاد رکھیئے جو بچے قُرب اور محبت، کے ماحول میں نہیں پلتے بڑھتے، اُن کی شخصیت اُدھوری رہتی ہے، وہ بچے، رحم، شفقت اور محبت کے جذبات سے عاری ہو جاتے ہیں۔

ان کی شخصیت کو آپ کے رویے مکمل کرتے ہیں۔ انہیں وقت دیجیے، قرب دیجیے۔ ان کی امنگوں میں، خیالوں میں، خواہشوں میں شامل ہو جائیے۔ ان کے ساتھ کھیلیے۔ انہیں پیار کیجیے، انہیں توجہ دیجیے، ان کی ادھوری باتیں سُنیے... اُن کے ٹوٹے جملوں کو سمجھیے اور ان کے اندر اُتر جائیے، بچے کی شخصیت کی تکمیل میں۔ بُنیادی اہمیت بچے سے آپ کے تعلق کی نوعیت پر قائم ہے۔ روبوٹ بن کر نہیں گوشت پوست کے جذبات رکھنے والے ماں باپ بن کر بچوں کی تربیت کیجیے۔

"جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم"
بالکل ایسے ہی
گرمیوں کی حدّت میں ٹھنڈے اور شیریں احساس
کا
ایک حسین نام
نورس
قومی مشروب
اب عوامی پیک میں بھی دستیاب ہے
نورس
Naurus (Pvt) Limited

REGD. NO. M–266 JUNE 1989

MONTHLY AANKH MICHOLLE KARACHI

LASER DOT